لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ماہنامہ
ترجمان اہلسنت کراچی
کل پاکستان
سنی کانفرنس نمبر
ملتان
بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنی کانفرنس نمبر

ماہنامہ

ترجمانِ اہلسنت

کراچی

شمارہ [illegible] جلد ۹

اکتوبر، نومبر ۱۹۷۸ء، مطابق ذیقعد، ذی الحج ۱۳۹۸ھ

بدلِ اشتراک: خصوصی شمارہ ۳ روپے عام شمارہ: ۲ روپے ۵۰ پیسے سالانہ: ۲۵ روپے
رجسٹری: ۳۵ روپے (رجسٹری فی شمارہ: ۳۵ پیسے، سالانہ ۴ پونڈ) برطانیہ کے لئے

۲۷۔ محمدی مینشن، مارسٹن روڈ، کراچی۔ فون نمبر ۷۲۷۲۲

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

مسلک اہلِ سنت کی ترویج اور
اشاعت کے لئے "ترجمان اہلِ سنت"
کے سالانہ خریدار بنئے۔ خود بھی
پڑھئے اور دوسروں کو پڑھائیے۔!

مولانا جمیل احمد نعیمی مدیر نے
سے چھپوا کر ۔ ۲۷ محمدی میشن مارٹن روڈ کراچی سے شائع کیا۔

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

کل پاکستان سنی کانفرنس کے انعقاد پر قائدین جماعت اہلسنت کو مبارکباد

منجانب : مجلس ادارت

پاکستان کی سرگزشت

پیہم جدوجہد، بے انتہا قربانیوں، دل وجاں کے نذرانوں اور نوا ہائے سحر گاہی کی عرش الٰہی کو ہلا دینے والی دعاؤں اور التجاؤں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے وطن عزیز — مملکت خداداد پاکستان — کی داستان دل گداز بھی ہے اور دلخراش بھی۔ دل گداز اس لئے کہ قدرت نے اسے ہماری تمامتر سیہ کاریوں، بداعمالیوں اور عاقبت نااندیشیوں کے باوجود قائم و دائم رکھا ہوا ہے اور دلخراش اس لئے کہ منزل کے تعین کے باوجود رہرو منزل کی شناخت اور پہچان میں ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قوم نے بحیثیت مجموعی بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا اور تاریخ کے اوراق پہ زندہ و تابندہ نقوش چھوڑے ہیں۔ لیکن ہم یہ بات انتہائی افسوس کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ قوم اپنی قربانیوں کے نتائج و ثمرات کو سمیٹنے میں ہمیشہ ناکام رہی ہے اور ہر ایسے مرحلے پہ جب کہ فقط ع

— دو چار ہاتھ لب بام رہ گیا

سیاسی قزاقوں اور طالع آزماؤں نے اپنی ہوس اقتدار کی پیاس کو بجھانے کی خاطر قوم کو اس کی گرانقدر بانیوں سے حاصل کردہ نعمت سے محروم کر دیا۔

دنیا کی تمام آزاد، غیور اور سلطانیٔ جمہور پر یقین رکھنے والی اقوام کے نزدیک کسی بھی نوع کی غیر نمائندہ حکومت سے زیادہ قابلِ ملامت اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ آزاد اقوام کمزور سے کمزور منتخب حکومت کو بھی ہر نوع کی ظاہری چمک دمک، آب و تاب اور شان و شوکت سے آراستہ غیر منتخب حکومت سے لاکھ درجے بہتر سمجھتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ عوام کی منتخب نمائندہ حکومت ہی وہ اجتماعی ادارہ ہے جس کی جڑیں عوام میں ہوتی ہیں اور جس کے منشور، فیصلوں اور اقدامات کو عوام سے منظوری کی سند حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس غیر منتخب حکومت اور غیر نمائندہ حکومت کے اعلانات و دعاوی خواہ بظاہر کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، کیونکہ عوام کی سند قبولیت سے محروم ہوتے ہیں، اس لئے وقتی چکا چوند اور پروپیگنڈے کے باوجود ناکامی ان کا مقدر ہوتی ہے اور آمریت تو آزاد دنیا کے آزاد عوام کے لئے "سیاسی گالی" سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

مسلمانانِ پاکستان کی بدبختی ہے کہ وطنِ عزیز اپنے قیام سے لے کر اب تک مسلسل ناکامیوں اور محرومیوں کا شکار رہا ہے۔ ملک زیادہ عرصہ "سرزمینِ بے آئین" رہا۔ ۱۹۵۶ء میں ایک بنا تو اس کے مکمل نفاذ سے قبل ہی فوجی طالع آزماؤں نے "شب خون" مار کر اس کا "خون" کر دیا۔ ۱۹۵۸ء سے فوج اس ملک کی سیاست میں کچھ اس طرح سے دخیل ہوئی ہے کہ تب سے اب تک یا تو فوجی جنرل براہ راست مسندِ اقتدار پر فائز ہے اور مارشل لاء ــــ جس کے حقیقی معنی ہیں "NO LAW" ــ سے مشق آزمائی کرتے رہے یا انتقالِ اقتدار کا ذریعہ بن کر "بادشاہ گری" فرماتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں فردِ واحد نے ایک آئین دیا، مگر اس کی عمرِ طبعی کا اختتام اس کے خالق کی سیاسی موت کے ساتھ ہی ہو گیا۔

۱۹۷۳ء میں عوام کے منتخب نمائندوں نے ملک و قوم کو ایک آئین دیا جس سے یہ توقع پیدا ہو چلی تھی کہ شاید کم از کم اس سرزمین کا "آئینی بانجھ پن" ختم ہو جائے گا اور کسی حد تک پاکستان اقوامِ عالم میں جمہوری ملک کہلانے کا جائز مدعی بن سکے گا۔

مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کُل پاکستان سُنّی کانفرنس کیوں؟

اس "سویلین فوجی حکومت" کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جماعت اسلامی کو غالب اور مؤثر نمائندگی حاصل ہے۔ وفاق میں اس کے باقاعدہ و بے قاعدہ وزراء کی

تعداد پانچ ہے، یعنی سابقہ منتخب قومی اسمبلی میں اس کے منتخب ممبران کی تعداد کے تقریباً دوگنا۔ علاوہ ازیں خود جنرل ضیاء الحق صاحب نے بھی جماعت اور اس کے بانی سے اپنی ذہنی و فکری ہم آہنگی کو کبھی مخفی نہیں رکھا۔ وہ بارہا رہنمائی، مشاورت اور غالباً ہدایات حاصل کرنے کے لئے اچھرہ گئے ہیں۔ بعض سرکاری طور پر دیگر اسلامی ممالک کے زعماء کو بلاکر انہیں اچھرہ لے جایا جاتا ہے اور اس کی سرکاری ذرائع ابلاغ سے خوب تشہیر کرائی جاتی ہے تاکہ بانی جماعت کا مطلوبہ امیج مسلمانان پاکستان کی غالب اکثریت کے ذہنوں میں راسخ کیا جاسکے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان تمام مساعی اور منظم منصوبہ بندی کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ؏

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

کیونکہ مسلمانان پاکستان ملی امت بارے خواہ کتنے ہی گئے گزرے کیوں نہ ہوں، الحمدللہ اپنے عقائد اور جذبہ حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے راسخ العقیدہ، متصلب اور پختہ ہیں کہ بڑی سے بڑی تدابیر اور چالیں بھی ان کے عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتیں۔ اور وہ تحفظ مقام مصطفیٰ اور مطالبہ نفاذ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو انحراف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور وہ دامن مصطفیٰ اور تاج غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر دستبردار ہو سکتے ہیں جب کہ ان کے پاس یہی ایک سب سے بڑی دولت ہے اور کون بدبخت ہوگا جو حقیر دنیوی مفاد کی خاطر اپنی دل و جان سے لاکھ بلکہ کروڑ ہا درجہ عزیز تر متاع عزیز سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ ہو جائے جب کہ اہلسنت کے ہر فرد کی نوک زبان پر ہر وقت یہ شعر رہتا ہے ؎

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک رسول
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ

موجودہ حکومت اس لحاظ سے تمام سابقہ حکومتوں سے منفرد و مختلف ہے کہ یہ ایک خاص اقلیتی مذہبی مکتبہ فکر کی حامل ہے، کیونکہ بانی جماعت مودودی صاحب خود کہہ چکے ہیں کہ میں نہ دیوبندی ہوں، نہ بریلوی، نہ اہل حدیث، نہ حنفی، نہ شافعی، حسینی وغیرہ، میرا ان تمام خرافات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب وہ ان مسلمہ مکاتب فکر میں سے کسی کے ہم خیال نہیں ہیں بلکہ ان سب کو خرافات سمجھتے ہیں تو وہ لامحالہ اپنے ایک مستقل مکتبۂ فکر کے بانی ہیں اور گویا اس لحاظ سے ایک سب سے الگ اقلیتی فرقہ ہیں۔ اور موصوف خود

پر بھی تصریح کر چکے ہیں کہ ملک کا قانون عامہ (PUBLIC LAW) اکثریتی فرقہ کے افکار و عقائد کے مطابق بنانا چاہیئے ، مگر آج معاملہ اس کے برعکس ہے اور اسی لئے غالباً محکمہ اوقاف کے سرکاری اہلکار مساجد میں صلوٰۃ و سلام کی مخالفت کے احکام جاری کرنے کی مذموم اور ناپاک جسارت کرنے لگے ہیں ۔ ایسے مخدوش اور خطرناک حالات میں ملک کے سوادِ اعظم ـــــ اہلسنت وجماعت ـــــ پر یہ دینی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی ، دینی ، سیاسی ، معاشی ، معاشرتی اور انفرادی و اجتماعی حقوق کے تحفظ کے لئے کفن بردوش ہو کر اور " بنیان مرصوص " بن کر میدانِ عمل میں نکل آئیں اور نام خدا و نام مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر غلامانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں سے حاصل کردہ سرزمین میں عظمتِ آدم مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے گاڑ دیں اور ثابت کر دیں کہ اس سرزمین میں صرف اور صرف نظامِ مصطفٰے آ چلے گا اور وہ بھی چودھویں صدی کے کسی بزعم خود مجدد و مجتہد کی تشریح و تعبیر کے ساتھ نہیں ، بلکہ ان تصریحات ، تعبیرات اور تشریحات کے ساتھ مقبول و منظور ہوگا جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کبار ، اکابرین ، مجتہدینِ امت ، اولیاء دین اور سلف صالحین سے لے کر آج تک بطریق نقل و تعامل منقول و مروی ہیں اور جن پر جماعت حقہ اہل سنت وجماعت خیر القرون سے لے کر آج تک کاربند رہی ہیں ۔

اگرچہ یہ ایک نظری اور تاریخی حقیقت ہے کہ اقلیتیں ہمیشہ منظم و متحد رہتی ہیں اور اکثریت - اذ اعجبتکم کثرتکم - کے ارشاد قرآنی کے مصداق غیر منضبط و غیر منظم رہتی ہے مگر وطن عزیز کے تمام اہلسنت عوام و خواص کو یہ صدائے جرس بگوش ہوش سن لینی چاہیئے اور نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیئے کہ اقوام و ملل کی تاریخ میں ہمیشہ ایسے نازک موڑ آیا کرتے ہیں کہ جب ایک لمحہ کی ادنیٰ سی غفلت اقوام کو صدیوں پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ لہٰذا یہ وقت سہل انگاری ، کسل مندی اور اجتماعی مقاصد سے عدم دلچسپی کا نہیں ، یہ لمحات اجتماعیت سے علیحدگی کے نہیں ، مل جانے کے ہیں ، ٹوٹنے کے نہیں ، جڑنے کے ہیں ، فصل کے نہیں وصل کے ہیں ، انفرادی خودی و خودسری کے نہیں بلکہ بے خودی اور اپنے تفرد کو ملت میں گم کرنے ، فنا کرنے اور مٹانے کے ہیں" اور اسی اجتماعی تنظیم اور قوت کے ایک ادنیٰ سے کے لئے عزائم زماں

اور اہلسنت کے متفقہ و مسلمہ دینی قائد علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مدظلہٗ نے جماعت اہلسنت کے پلیٹ فارم سے ملتان میں ۱۶ ، ۱۷ ، اکتوبر ۱۹۷۸ء کو

عظیم الشان اور فقید المثال کل پاکستان سنّی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا ہے۔ اہلسنت کے ہر فرد کو خواہ وہ پاکستان کے کسی بھی گوشہ میں ہو اس میں شرکت کی کھلی دعوت دی گئی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ ملت کا ہر فرد اس صدائے حق پر لبیک کہتے ہوئے جذبہ حب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر اس میں شرکت کرے گا اور شرکت کو اپنے لئے سعادت عظمیٰ اور نعمتِ غیر مترقبہ تصور کرے گا۔

پس چہ باید کرد

برصغیر میں قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں جتنی بھی اسلامی تحریکیں اٹھیں اور جب بھی چمن اسلام اور گلستان وطن کو لہو کی ضرورت پڑی، اہلسنت ہی نے نذرانۂ جان پیش کیا۔ مگر جب ان قربانیوں کے ثمرات و نتائج کو سمیٹنے کا وقت آیا تو اغیار کمالِ بے حیائی و ڈھٹائی کے ساتھ اس کے وارث بن بیٹھے اور اہلسنت اس شعر کا مصداق بنے رہے کہ ؎

جب چمن کو لہو کی ضرورت پڑی
سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی

پھر بھی کہتے ہیں مجھ سے یہ اہلِ چمن
یہ چمن ہے ہمارا، تمہارا نہیں

اس صورت حال کا حقیقی سبب تو اہلِ سنّت کی قلندرانہ سادگی، للٰہیت، اخلاص اور بے غرضی ہے، وہ چونکہ محض رضائے الٰہی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس لئے دنیوی مفادات ان کی نظر میں ہیچ ہوتے ہیں اور اس کے برعکس اغیار چونکہ۔

منہم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وما لہم فی الاٰخرۃ من خلاق"

کے مصداق انتہائی عیاری سے محض مفاداتِ دنیوی پر نظر رکھے ہوتے ہیں، اس لئے وہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہی صورت حال تحریک پاکستان میں بھی برقرار رہی کہ آخری لمحات تک یہ لوگ ہندو ہمنفروں اور برطانوی آقاؤں کی رضا جوئی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تحریک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے شاید انہیں اپنے "روحانی قبلہ" دیوبند کا تحفظ مقصود ہوگا کیونکہ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ ؎

ع۔ پھرتے ہیں کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ

اور جب اللہ کے کرم سے پاکستان قائم ہوگیا تو یہ اس کی مسند اقتدار کے مجاور بن بیٹھے، بزعم خویش پاکستان کے شیخ الاسلام قرار پائے اور قیام پاکستان کے دوران اپنی تمامتر مخالفت، عناد اور بغض کو فراموش کر کے اپنے آپ کو "نظریۂ پاکستان" کا خالق قرار دینے لگے اور اپنی سیاسی عیاریوں و مکاریوں کے نتیجہ میں اب بالآخر چور دروازے سے ایوان اقتدار میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے اور منظر کچھ یوں نظر آتا ہے کہ ؎

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

اس افسوسناک پس منظر کی روشنی میں اشد ضروری ہے کہ اہلسنت اور ان کے قائدین اب ہمہ وقت ہوشیار اور چوکنے رہیں اور پوری طرح سے متحد، منظم ہوکر مخالفین تحریک پاکستان اور گستاخان بارگاہِ رسالت کی سازش کو مکمل طور پہ ناکام بنادیں کیونکہ اہلسنت کو اس شان فاروقی کا آئینہ دار ہونا چاہیئے جیسا کہ ایک بدو نے کہا تھا کہ "ہمارا امیر نہ دھوکا دیتا ہے اور نہ دھوکا کھاتا ہے"۔

لہٰذا کل پاکستان سنی کانفرنس کے اس سنہری موقع پہ ہم کانفرنس کے منتظمین، اہلسنت کے قائدین، علماء و مشائخین اور زعماء و صلحاء کی خدمت میں انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ چند اہم گذارشات پیش کرنا چاہتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ اس تاریخی موقع پہ انہیں پیش نظر رکھا جائے گا۔

اولاً یہ کہ اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ اس کانفرنس کے موقع پہ جو جذبات کا سیلاب بے کراں، جوش و جنون اور عشق و محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت گرانمایہ، تحفظ مقام مصطفےٰ اور نفاذ و نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم بالجزم باطل کی چٹانوں کو پاش پاش کرنے کی صلاحیت رکھنے والی قوت ایمانی کا طوفان بلاخیز نظر آرہا ہے، اسے محض اور محض نعروں کی صورت میں فضاء میں تحلیل نہ ہونے دیا جائے۔ ان قیمتی موتیوں اور جواہر پاروں کو ایک معصوم بچے کی ادائے ناز کی طرح بے قدری سے زمین پہ بکھیر نہ دیا جائے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس دولت گرانمایہ کے ایک ایک موتی کو عقیدت و محبت کی پلکوں سے چن کر ایک ماہر و قدرشناس جوہری کی طرح ایک حسین منظم کی لڑی میں پرو دیا جائے جسے دیکھ کر قدرت کو بھی پیار آجائے۔ کیونکہ یہی اس کانفرنس کا ماحصل ہے اور یہی وہ حقیقی قوت ہے جس سے باطل کے ہر طوفان کا رُخ موڑا جاسکتا ہے

راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کیا جاسکتا ہے اور تحفظِ نظامِ مصطفےٰ اور نفاذِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو حقیقت کا روپ دیا جاسکتا ہے اور یہی وہ موثر و منظم انتخابی قوت ہے جس کے ذریعہ تائیدِ الٰہی کے ساتھ ملک کی تقدیر کو بدلا جاسکتا ہے۔

ثانیاً یہ بھی ضروری ہے کہ سوادِ اعظم کے جمِ غفیر کے سامنے ایک منظم پروگرام رکھا جائے اور انہیں واضح طور پر بتا دیا جائے کہ ان میں سے کس کس کو کس محاذ پر مورچہ سنبھالنا ہے اور کس نہج پر کام کرنا ہے تاکہ تحریک ہمہ جہتی رنگ اختیار کرسکے اور زندگی کا کوئی گوشہ اس کی گرفت سے آزاد نہ ہو اور اس کے فیضان سے محروم نہ ہو۔

ثالثاً یہ کہ اپنی گزشتہ کارکردگی کا شرحِ صدر کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور تنقیدی و تحقیقی تجزیہ کے بعد یہ طے کرلیا کہ کن شعبوں میں کام صحیح نہج پر بڑھا ہے اور ہو رہا ہے اور کون کون سے شعبوں میں خلاء باقی رہ گیا ہے تاکہ جو ہدف حاصل کیا جاسکا ہے اسے مستحکم کیا جائے اور جن شعبوں میں کام مطلوبہ معیار سے کم تر ہوا ہے یا بالکل نہیں ہوا، اس کمی کو پورا کیا جائے۔

رابعاً یہ کہ ہر شعبہ کے لئے رجالِ کار کو تلاش کیا جائے اور ہر کام کے اہل افراد تلاش کرکے ان کے سپرد کیا جائے جو اپنے لوگ ساتھ ہیں ان سے تعلق کو مستحکم کیا جائے اور جو کسی بھی جانب سے کوتاہی کی بناء پر جماعت سے دور ہیں مگر عقیدہ و مسلک میں ہمسفر ہیں، ان سے بلا تاخیر "صل من قطعک" کے ارشادِ رسول کے مطابق تعلق جوڑا جائے۔

خامساً یہ کہ بالخصوص نشر و اشاعت، تشہیر اور قلمی ابلاغ کے میدان میں حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق ہم نے مجرمانہ غفلت برتی ہے، کوتاہی کی ہے، اس کی فی الفور اور مختصر المیعاد منصوبہ بندی کے ذریعے تلافی کی جائے۔ اس کیلئے ایک طرف اہل قلم اصحاب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر یکجا کیا جائے اور دوسری جانب مالی وسائل کا وافر اہتمام کیا جائے تاکہ نشر و اشاعت، تشہیر و ابلاغ اور رسائل و قلم کا کام موجودہ دور کی تکنیکی و فنی مہارت کے ساتھ موثر انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاسکے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم اپنے جان و مال اور خونِ جگر کے نذرانے پیش کرکے تاریخ بنا تو سکتے ہیں، صفحاتِ تاریخ میں اپنا مقام نہیں پا سکتے۔ کیونکہ اوراق جب اغیار کے قلم سے سیاہ ہوں گے تو ان کے بغض و عداوت کی سیاہی اہلسنت کے آب و تاب کو کہاں ابھرنے دے گی۔

کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن عمل کے لئے اختصار کے پیش نظر اس امید پر یہ معروضات پیش کئے گئے کہ ؎

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو اور دنیا و آخرت میں اس کے حبیب اکرم سایۂ عاطفت ہمیں نصیب ہو۔

آخر میں

ہم اس موقع پر ان تمام حضرات سے معذرت خواہ ہیں جن کی نگارشات اس شمارہ میں شائع نہ ہو سکیں اور آئندہ شمارہ میں ان کی اشاعت کی پوری کوشش کریں گے۔ ہم اپنے ان معاونین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں جن کے بغیر شاید یہ خاص نمبر شائع نہ ہو سکتا۔ خصوصاً مولانا شاہ تراب الحق، خواجہ رضی حیدر، مولانا شاہ حسین گردیزی، جناب صادق قصوری، غلام محی الدین، مولانا حسن علی میلسی، مولانا منیب الرحمٰن، حاجی حنیف طیب اور جناب ظہور الحسن بھوپالی۔

قارئین یہ شمارہ اکتوبر نومبر کا مشترکہ شمارہ ہے۔ آپ کی آراء کا انتظار رہیگا۔

موت العالم موت العالم

ماہ شوال جہاں اپنی آغوش میں عید الفطر کی خوشیاں لیکر طلوع ہوا تھا وہاں آہوں اور سسکیوں کے ہجوم میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری خلیفۂ اعلیٰحضرت رح کو لیکر رخصت ہو گیا۔ کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان کے انعقاد سے قبل مولانا ابوالبرکات کی رحلت سواد اعظم کے لئے ایک ناقابل فراموش المیہ ہے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت برصغیر پاک و ہند میں نصف صدی تک روشن چراغ کی مانند علم و ہدایت کا نور پھیلاتی رہی۔ آپ کی سیاسی اور مذہبی خدمات تاریخ کا حصہ ہیں۔ جن کا اپنے اور پرائے سب اعتراف کرتے ہیں۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کے درجات بلند کرے۔ اور ہمارے قومی وفد میں شامل رہنماؤں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا مسعود احمد دہلوی

کے نام

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی

کے مکتوب کا عکس

بشکریہ: مولانا خلیل احمد نعیمی

عزیز گرامی قدر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ جو مسرور فرمایا جزاک اللہ تعالیٰ [illegible]

سنی کانفرنس کے اجلاس ۲۷-۲۸-۲۹-۳۰

اپریل کو ہوں گے — روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے اسکی

ہر طرف پریشانی لاحق ہو رہی ہے — خدا کرے اجلاس

عزت و آبرو کے ساتھ ہو جائیں — ہمیں امید نہیں کہ ہم

تمام مہمانوں کو کھانے کا انتظام بھی کر سکیں —

مگر میں ہرگز ان [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور اب پروپگنڈہ کا وقت بھی نہیں رہا۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کی بعض ایسے مضمون چھاپنے کی

جنکی [illegible] میرے لیے سبب مسرت تھی [illegible]

[illegible]

دینے کا استطاعت نہیں ہے —

[illegible] تشریف لاویں — مولانا عبدالقادر کی

[illegible]

[illegible] محمد نعیم الدین [illegible]

علامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی

سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت ہی وہ واحد ہدایت یافتہ گروہ ہے وہ عظمت مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاسبان ہے اور جس نے اسلام کو اس کی صحیح تعبیر کے ساتھ سمجھا ہے۔ کل پاکستان سنی کانفرنس کے انعقاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ سوادِ اعظم کو منظم کیا جائے اور نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کی جدوجہد تیز کی جائے تاکہ لادینی عناصر کی عزائم خاک میں مل جائیں۔ میں تمام مشائخ و علما اہلسنت اور احباب اہلسنت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے مصروف عمل ہو جائیں۔

مولانا حامد علی خان صاحب

جماعت اہل سنت لائق مبارکباد ہے کہ وہ سنی کانفرنس منعقد کر رہی ہے ہمیں خوشی ہے کہ قائدین جماعت اہلسنت نے ملتان کو میزبان کا شرف عطا کیا۔ سنی کانفرنس میں شریک ہو کر ہر سنی کو ثابت کرنا چاہئے کہ اس کی منزل نہ سوشلزم ہے نہ سرمایہ دارانہ نظام بلکہ وہ دل سے چاہتا ہے کہ پاکستان کو بلاتاخیر نظام مصطفےٰ کا گہوارہ بنایا جائے۔

مولانا شاہ احمد نورانی صاحب

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ماہنامہ "ترجمان اہلسنت" کراچی، کل پاکستان سنی کانفرنس کے موقع پر خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔ میں مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کو اس عظیم کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں نے پنجاب کے سات اضلاع کے حالیہ دورے میں مشاہدہ کیا ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے عوام اہلسنت میں جو جوش و خروش ہے وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

میری کانفرنس کے شرکاء سے یہ گذارش ہے کہ وہ اس عبادت کو عبادت سمجھ کر اس میں شریک ہوں اپنی زندگی میں عملی طور پر نظام مصطفےٰ نافذ کریں اور ملک کو نظام مصطفےٰ کی برکتوں سے فیضیاب کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ کانفرنس میں شریک ہو کر عہد کریں کہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر احباب اہلسنت کو منظم کریں گے تاکہ پاکستان کے در و دیوار سے درود و سلام کی صدائیں بلند ہوں علامہ سید احمد شاہ صاحب کاظمی نے پیرانہ سالی کے باوجود اس کانفرنس کا بیڑا اٹھا کر جملہ مشائخ، علماء اور احباب اہلسنت کے لئے راہ عمل فراہم کر دی ہے کہ

"نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری"

پیغام

مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی ناظم اعلےٰ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان و ناظم

ناظم اعلےٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مجھے یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی کہ اہل سنت و جماعت کی مذہبی تنظیم جماعت اہل سنت، ملتان شریف میں "کل پاکستان سُنی کانفرنس" کے انعقاد کا اہتمام کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ جماعت اہل سنت کا بڑا ہی مبارک اقدام ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آل انڈیا سُنی کانفرنس بنارس اور آل پاکستان سُنی کانفرنس دارالسلام کی طرح یہ کانفرنس بھی اہل سنت کے رواں دواں قافلے کے لئے نیا موڑ ثابت ہوگی!

بلا امتیاز تمام اہل سنت کو خواہ وہ کسی بھی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں ــــــ!
علائے عام ہے کہ اس کانفرنس میں شریک ہو کر اپنی بیداری، زندگی اور محبت مسلک کا ثبوت دیں۔

حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری

سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان

مجھے یہ جان کر کہ ترجمان سنی کانفرنس نمبر شائع کر رہا ہے بڑی مسرت ہوتی ہے۔ ترجمان ایک تحریک ہے اور اس کی تاریخ بڑی روشن ہے۔ امید ہے کہ یہ نمبر پہلے سے بڑھ کر توقعات کے مطابق ہوگا۔

یکم ذیقعدہ
۱۳۹۸ھ

حضرت مولانا علامہ وقار الدین صاحب

استاذ شعبہ حدیث، دار العلوم امجدیہ کراچی

مجھے مولانا عبد المنعم ہزاروی سے معلوم ہوا ترجمان سنی کانفرنس نمبر پیش کر رہا ہے۔ ترجمان کا یہ اقدام بر وقت اور مناسب ہے مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ترجمان روز بروز ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے اور یہ نمبر اس کی قبولیت عامہ بے اضافہ کا باعث ہوگا۔

بجم ذیقعدہ
۱۳۹۸ھ

مولانا عبد الحکیم شرف قادری لاہور

پیغام

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ شہر اولیا ملتان شریف میں کل پاکستان سُنی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکستان بنانے والے سُنی ایک دفعہ پھر منظم ہو کر پاکستان میں نظامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ اور مقامِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تحفظ کے لئے سرگرمِ عمل ہو جائیں گے ــــ برادرانِ اہلِ سنت! جس طرح تم نے پاکستان بنایا تھا، اسی طرح ملکِ پاک میں نظامِ مصطفٰے کا نفاذ اور مقامِ مصطفٰے کا تحفظ بھی تمہیں ہی کرنا ہے۔

آج طے کر لیجئے کہ ہم نہ صرف کانفرنس میں خود شریک ہوں گے اور دوسروں کو شرکت کی دعوت دیں گے بلکہ کسی قسم کی قربانی اور ایثار سے دریغ نہیں کریں گے۔

غزالیٔ زمان حضرت علامہ

سید احمد سعید کاظمی

سے چند اہم سوالات

تعارف انٹرویو ——— ملاقات، پیرزادہ سردار احمد قادری

غزالی زمان حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی اہل سنت کے ان اکابرین میں سے ہیں جنہوں نے ہر دور میں حق و صداقت کی شمعوں کو بلند رکھا ہے۔ آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ بقول شاعر

ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

آپ کا تعارف یوں کرایا جاسکتا ہے کہ آپ :-

* آسمان علم و ھدایت پر چمکنے والے ایک روشن مہتاب ہیں جس کی کرنیں سارے جہان پر اپنی روشنیاں بکھیر رہی ہیں۔
* نور بکھیرنے والے اس چاند کی طرح ہیں جو ہر طرف ضیاء پاشیاں کرتا ہے۔
* آپ کا وجود ہمارے لئے باران رحمت ہے۔ جو علم و عرفان کے بغیر دلوں کی اجڑی ہوئی سرزمین کو اپنی علمی تحقیق اور ذہنی فراست سے سیراب کرتا ہے۔
* آپ معرفت و حقیقت کا وہ چشمہ ہیں جس سے طالبان رشد و ھدایت سیراب ہوتے ہیں۔

ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارا علمی اور روحانی مرشد وہ ہے جس کا دور حاضر میں علم حدیث میں کوئی ثانی نہیں، جن کی علمی تحقیقی، قابلیت کے اپنے ہی نہیں غیر بھی معترف ہیں۔ آپ ہر میدان میں ہمارے رہنما ہیں۔ سیاست ہو یا مذہب۔ معیشت ہو یا معاشرت، ان کی شخصیت ہر پہلو پر ہمارے لئے استفادہ کا سبب بنتی ہے۔

علمی اور تحقیقی میدان میں آپ کا تجربہ وسیع ہے۔ ملتان کی عظیم الشان اسلامی درسگاہ "انوار العلوم" کی بنیاد کا سہرا آپ کے سر ہے، اور مختلف علمی، ادبی موضوعات پر آپ کی یادگار تحریریں آپ کی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں "شیخ الحدیث" کے منصب جلیلہ پر بھی ایک عرصہ تک

ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ اور یونیورسٹی کے ماحول کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

تحریک "تحفظ ختم نبوت" ہو یا "تحریک نظام مصطفےٰ" آپ نے ہر موقعہ پر قوم کی رہنمائی فرمائی ہے اور ہر مرحلے پر جواں مردی، عزم و استقلال کا ثبوت فراہم کیا۔

کبھی آپ کے قدم ڈگمگا کر لغزش کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اپنے مشن سے ہٹا سکی ہے۔ نظام مصطفےٰ کا مشن۔ نظام مصطفےٰ کا مشن۔

آپ نے جمعیت علمائے پاکستان کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور اسے ملک کی صف اول کی مقبول جماعت بنا دیا۔ اور ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ملتان میں اس کے تاسیسی اجلاس میں آپ نے نمایاں سرگرمی دکھائی جس میں آپ کو مرکزی ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

ضعیفی اور علالت کے باوجود آج بھی آپ اہلسنت و جماعت کیلئے قائدانہ ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ غزالی زماں اسوقت "ادارہ تدوین نظام مصطفےٰ" کی سربراہی فرماتے ہوئے نظام مصطفےٰ کی عملی تشکیل کیلئے کوشاں ہیں اور مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کی سرپرستی بھی آپ کے حصہ میں آئی ہے۔

جس کے زیر اہتمام ۱۶، ۱۷، اکتوبر کو ملتان اسٹیڈیم میں کل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں ملک بھر کے علمائے کرام و مشائخ عظام اور عوام اہلسنت شریک ہو رہے ہیں۔

کانفرنس کے بارے میں آپ کے خیالات قلمبند کرنے ۱۴ ستمبر کو شاداب کالونی میں واقع آپ کی کوٹھی پر حاضر ہوا تو آپ مفتی ظفر علی نعمانی سے تنظیمی امور پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے ملاقات کیلئے وقت مانگا تو آپ نے کمال شفقت سے میرے ذوق کی تکمیل فرمائی۔

س۔ ملاقات میں کانفرنس کے علاوہ دیگر ملکی اور مذہبی موضوعات پر آپ نے عالمانہ گفتگو فرمائی سوالاً جواباً نذر قارئین ہے۔ (پیرزادہ سردار احمد قادری)

صرف اس طرح مذہبی راہنما اپنا کردار بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں اور ان کی تبلیغ موثر حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔

س۔ جناب۔ اس سلسلے میں ایک ضمنی سوال ہے کہ بعض حلقے تنقید کرتے ہیں کہ علماء اختلافی مسائل میں الجھ کر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلافات بڑھا رہے ہیں۔ اور اسطرح فتنہ و فساد پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

ج۔ جہاں تک مذہب اور مسلک اہلسنت کا تعلق ہے ہر عالم دین کا فرض ہے کہ وہ اپنے مسلک کی حقانیت اور صداقت کو حسن و خوبی کے ساتھ مدلل طور پر قوم کے سامنے پیش کرے خواہ وہ کوئی بھی ذریعہ ہو تقریر ہو

یا تحریراً۔ اور اسطرح مخالفین مسلک کا دفاع بھی بطریق احسن علمائے اہلسنت کے فرائض میں شامل ہے۔ لیکن یہ کام وجاہ و لطف یا التی ھی احسن کے اصول پر کیا جائے اور فتنہ وفساد کو مسدود کیا جائے۔

س۔ لیکن جناب! بعض حلقے تو فتنہ وفساد کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ج۔ آپ نے صحیح کہا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعض حلقے اس قسم کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے انتظامی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے بعد اپنے فرائض سے غیر متعلق امور کیطرف توجہ دینی شروع کر دی ہے جس سے کشیدگی پیدا ہونے کا احتمال ہے مثلاً حال ہی میں درود وسلام پر پابندی پر عمل کرانے کی سعی کرائی گئی ہے اور مساجد میں بے جا مداخلت کی گئی ہے۔ لیکن یہ سعی لاحاصل ہے۔ کیونکہ ہم اس کا دفاع کرنا جانتے ہیں۔ ویسے ہم اس کا دفاع جھگڑے اور فساد کی صورت میں نہیں کریں گے بلکہ اصولی طور پر اس سلسلے میں فتنہ وفساد سے بچتے ہوئے اپنی پوری اور مکمل جدوجہد کو بروئے کار لائیں گے۔ اگر اس کے بعد بھی صورت حال خراب ہو، اور نتائج توقعات سے برعکس برآمد ہوئے تو اس کی ذمہ داری "علمائے اہلسنت" پر نہیں ہوگی۔ بلکہ انہیں لوگوں پر جنہوں نے درود وسلام بند کر کے سواد اعظم کے مسلک کے خلاف قدم اٹھایا ہے۔ ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے اور فتنے کا دروازہ کھولا ہے۔ اسلئے میرا ایسے لوگوں کے لئے مشورہ ہے کہ وہ ایسے قدم نہ اٹھائیں جو بعد میں اُن کیلئے پریشانی کا باعث بنیں۔ اور دلوں میں کشیدگی پیدا ہو۔ کیونکہ ہم کسی صورت بھی نہیں چاہتے کہ معاشرہ الجھاؤ اور انتشار کا شکار ہو — اور پیچیدگیاں مزید بڑھیں۔

سوال۔ آپ کے علم میں شاید یہ بات آئی ہوگی کہ پچھلے دنوں چند عناصر نے قومیت کے تصور کو دھندلا کرنے کیلئے زبردست پروپیگنڈہ شروع کیا ہے۔ کیا یہ نظریہ اسلامی تصور قومیت کے منافی نہیں ہے؟ کیا آپ قومیت کے اسلامی تصور پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

جواب۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس سے قبل بھی بعض کانگریس کے حامی علماء نے بھی متحدہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کی بات کی تھی۔ اور اپنے نظریے کی حمایت میں انہوں نے "ہندو مسلم اتحاد" کا عملی مظاہرہ بھی کیا تھا۔ اور پاکستان کی داعی ہونے کی وجہ سے انہوں نے مسلم لیگ کی زبردست مخالفت کی۔ اور مسلمانوں کے محبوب لیڈر قائداعظم کے خلاف دشنام طرازی کی مہم چلائی۔ اور تحریک پاکستان سے کلیتہً منقطع رہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ نظریہ پاکستان سے کبھی متفق نہ تھے۔

موجودہ پروپیگنڈہ بھی اسی کانگریس نواز ٹولہ کی دیرینہ روش کی ایک کڑی ہے۔ میر غوث بخش بزنجو کا نظریہ اور فلسفہ سراسر بے بنیاد لغو اور بے معنی ہے۔ جسے کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ مسلم قومیت کا بنیادی نقطہ اسلام ہے۔ اور یہی بات وحدت کی واحد علامت ہے۔ اور جو شخص اس قسم کی باتیں کرتا ہے وہ اسلام سے مخلص نہیں کیونکہ جو شخص اسلام کی حدود کا پابند نہ ہو اس کی

بات کسی مسلمان کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مسلم قومیت کی بنیاد مذہب پر مبنی ہے اور اگر مذہب نہیں تو قومیت کا وجود نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا مذہب موجود ہے اسی طرح ہماری قومیت اسی مذہبی بنیاد پر یقیناً موجود ہے۔ اور اسی نظریے کو مستحکم کرنے کیلئے ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔ حالیہ سنی کانفرنس کے انعقاد کا مقصد بھی یہی ہے۔

کتاب و سنت میں کہیں بھی وطنیت، یا علاقائیت کی بنیاد پر کسی قومیت کا تصور نہیں ہے۔ بلکہ کتاب و سنت میں اسلام ہی کو مسلم قومیت کا بنیادی نقطہ قرار دیا گیا ہے اور عزت و کرامت کا معیار بنایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے کہ ھو سمّٰکم المسلمین ٥ اور فرمایا

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ٥

(تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو)

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوا۔ یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی ٥ وجعلنٰکم شعوبا و

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور

تمہیں شاخیں اور

قبائل لتعارفوا ٥ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ٥

قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے)

سوال۔ کیا آپ ارشاد فرمائیں گے کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کے تحت آپ اور آپ کے رفقاء نے کار لے تحریک پاکستان میں قائداعظم علیہ الرحمۃ اور ان کے رفقاء کا ساتھ دیا۔ لیکن پھر مسلم لیگ سے سابقہ تعاون کا رویہ ترک کر کے علیحدہ سیاسی تشخص بحال کیا۔

جواب۔ دیکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کی تحریک میں کسی ذاتی اغراض و مقاصد کیلئے حصہ نہیں لیا تھا۔ ہمارے تعاون کی وجوہات واضح تھیں ہم صرف ایک اسلامی ریاست کا قیام چاہتے تھے تاکہ ایک پاکیزہ معاشرہ ہو۔ اور شعائر اسلام کا تحفظ و ترویج ہو۔ اور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ایک علیحدہ آزاد خطہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لئے ہم نے ایک طرف کانگریس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، ہندوؤں کے عزائم کا پردہ چاک کیا۔ اور دوسری طرف کانگریس نواز علماء کے الزامات کا جواب دیا اور ان کے باطل نظریات کی قلعی کھولی۔ اور بے خوف و خطر ہو کر بغیر کسی خواہش اور طمع کے ہو کر بے لوث قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا جس کا ہمیں فخر ہے۔ اور ہم اس کا برملا اعتراف آج بھی کرتے ہیں۔

رہا مسلم لیگ سے تعاون کا سوال .... تو قیام پاکستان کے بعد بھی ہم نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ لیکن جب قائداعظم کی وفات کے بعد ہم نے دیکھا کہ جس بنیادی نظریے پر پاکستان حاصل کیا گیا تھا مسلم لیگ

اسے تسلیم کرانے کے باوجود اسے عملی جامہ نہیں پہنانا چاہتی تھی۔ تو ہم مجبور ہو گئے کہ ایک علیحدہ تنظیم قائم کریں جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اہلسنت دونوں کا مقصد بالترتیب سیاسی اور مذہبی بنیادوں پر نظریہ پاکستان کا استحکام ہے۔ لہذا جو تحریک ہم نے قیام پاکستان کے وقت شروع کی تھی وہ آج بھی جاری ہے۔ اور منزل کے حصول تک یہ جدوجہد جاری رہے گی اور ہمارے مقاصد واضح ہیں۔ "نظام مصطفےٰ کا نفاذ۔ اور مقام مصطفےٰ کا تحفظ۔

سوال۔ جناب نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے سلسلے میں ایک ضمنی سوال میرے ذہن میں ابھرا ہے۔ موجودہ حکومت کا توقف ہے کہ حالات کے مطابق نظام مصطفےٰ کا نفاذ بتدریج ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے۔۔۔؟

جواب۔ میں نظام مصطفےٰ کو بتدریج نافذ کرنے کے اصول کے مخالف ہوں حالات کے مطابق شریعت محمدیہ کو ڈھالنا غلط توجیہہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہم معاملات میں اسلامی احکامات کو نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اور اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ لیکن محسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مخلصانہ کوششیں کی جارہی ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں مستعدی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔ اگر احکامات کو نافذ کیا جاتا تو اس وقت تک بہت کچھ ہو چکا ہوتا۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ جو کہ تشویشناک ہے۔

اور اب "بتدریج" کا لفظ بول کر قوم کو مبتلائے فریب کررہے ہیں۔ حالانکہ اس سلسلے میں کوئی مشکل نہیں ہے مثلاً ذرائع نشر و اشاعت کی اصلاح اسلامی احکام کے مطابق ناممکن نہیں ہے۔ اس طرح شراب اور زنا پر کوڑوں کی سزاؤں کا نفاذ بھی کوئی دشوار گزار نہیں ہے۔ بے حیائی کے مراکز پر قابو پانا اور اقامت صلوٰۃ کے نظام کو برپا کرنا ایسے امور ہیں جن کے نافذ کرنے میں کوئی مشکل در پیش نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا گیا۔ اور نہ ان اہم معاملات پر توجہ دی گئی ہے۔

اور جرموں کو ایک طرف رکھئے آج تک "اقامت صلوٰۃ" کا نظام بھی برپا نہیں ہوسکا۔ پھر بھلا بتائیے کہ اسلامی نظام بتدریج کا لفظ فریب نہیں تو اور کیا ہے؟ ــــ

س۔ جناب عالی! اسلامی نظریاتی کونسل اسلامی قوانین کو موجودہ قوانین کے مطابق ڈھالنے اور اسے موجودہ دور سے ہم آہنگ کرنے کیلئے کوششیں کر رہی ہے۔

ج۔ میں اسلامی قوانین کو موجودہ قوانین کے مطابق ڈھالنے کے اصول کو نہیں مانتا میرے نزدیک یہ غلط ہے یہ تو ایک جاہلانہ توجیہہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ موجودہ قوانین کو اسلامی فقہ کے مطابق ہونا چاہیئے اور مقننہ عدلیہ سمیت تمام شعبوں میں تمام اصولوں کو اسلامی نظام حیات کے مطابق ڈھالنا چاہیئے۔ لیکن موجودہ قوانین کے مطابق اسلامی قوانین کی تشکیل کی جارہی ہے۔ جو ایک غیر فطری امر ہے۔

میں اس بات کو مثال کے ساتھ واضح کرتا ہوں۔ دیکھئے! اگر ٹوپی چھوٹی ہو اور سر بڑا۔ جوتا چھوٹا ہو اور

پاؤں ہیں۔ تو ٹوپی کو سر کے مطابق بنایا جائے گا یا سر کو ٹوپی کے مطابق۔ کیا جوتے کو پاؤں کے مطابق بنانا ہوگا
یا آپ پاؤں کو جوتے کے مطابق بنائیں گے ــــ؟

اسلام دینِ فطرت ہے۔ غیر فطری امور میں تو تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ لیکن فطرت کو غیر فطرت کے مطابق
کرنے کی کوشش کرنا علم و حکمت کے مطلقاً منافی ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۝ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۝
(اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیز نہ بدلنا)

س۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موجودہ جمہوری حکومت "نظام مصطفٰے" نافذ کر سکتی ہے۔ اور کیا نظام مصطفٰے کے
نفاذ کے مرحلے پر آپ حکومت سے تعاون کرنے کیلئے تیار ہیں ــ؟

ج۔ میں اس امر پر یقین رکھتا ہوں نظام مصطفٰے سے صحیح طور پر وہی لوگ مخلص ہو سکتے ہیں جو مقام مصطفٰے
کے حامی ہیں۔

جہاں تک نظام مصطفٰے کے نفاذ کا تعلق ہے اگر اس سلسلے میں مخلصانہ کوششیں کی جائیں تو ہم تعاون
کیلئے تیار ہیں لیکن صورتحال اس کے برعکس ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انتظامیہ "نظام مصطفٰے" کے نفاذ کے
بارے میں عملی نفاذ کی بجائے بعض مخصوص فرقوں کی حمایت کر رہی ہے۔ اور ان کی پُشت پناہی کی جا رہی ہے

س۔ تو اس سلسلے میں آپ کا مطالبہ کیا ہے؟

ج۔ ہمارا مطالبہ واضح ہے کہ حکومت ایسے اقدامات نہ کرے جس سے اس کی غیر جانب داری مشکوک
ہو۔ میں ارباب حکومت کو اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ کسی سے بھی امتیازی سلوک نہ برتے۔ کیوں
کہ مسلمانوں کے سب فرقے پاکستان میں رہتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر مکتبۂ فکر کے جذبات و
احترام کو ملحوظ رکھے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہو جائیگا ــــ

س۔ آپ نے روزنامہ "آفتاب" ملتان کی چودہ ستمبر ۸۰ء کی اشاعت میں اپنے انٹرویو میں فرمایا ہے کہ
"مدرسہ قاسم العلوم ملتان" میں کئی دفعہ ہندو آئے ذرا اس کی وضاحت فرمائیے ــــ

ج۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ ملتان میں پنڈت نہرو آئے تھے۔ اور قاسم العلوم کی انتظامیہ نے ان کا
خیر مقدم کیا تھا اور اس کی وضاحت بالکل بے غبار ہے۔ وہ یہ کہ ملتان میں دو ایسے مخصوص ادارے تھے جن
کے سربراہ کانگریس سے بے حد متاثر تھے۔ بلکہ مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف کانگریس اور ہندو لیڈروں
کی قیادت پر مکمل اعتماد کا پرچار کرتے تھے۔ ان میں مدرسہ قاسم العلوم پیش پیش تھا۔ (جس کے سربراہ
مفتی محمود ہیں) اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو یہ حقائق
سے روگردانی ہے اور تاریخ فراموشی ہے۔

س۔ جناب اب آخری سوال ہے۔ کیا آپ عوام الناس اہلسنت و جماعت کے نام کوئی پیغام دیں گے؟

ج۔ کمیونزم اور سوشلزم کا سیلاب خطرناک سیلاب ہے۔ اگر اس کو کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے جسے ہم پاکستان کا بنیادی نظریہ سمجھتے ہیں۔ جب تک اس ملک میں اسلام کی بالادستی نہیں ہوتی ان خطرات سے نجات نہیں ہو سکتی۔

یہ میرا پیغام ہے ــــ یہی میرا انتباہ ہے۔

جب میں یہ انٹرویو قلمبند کر کے واپس آ رہا تھا تو میرے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا تھا کہ ہم اپنے اکابر کے مشوروں پر کہاں تک عمل کرتے ہیں۔؟ اور ان نصائح سے گریز کی پاداش میں ہمیں کیا کیا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔

میکاؤلی کی سیاست پر عمل کرنے والوں کی تطہیر اور احتساب کے لئے اگر کوئی نظام حیات ازل سے ابد تک مؤثر ہو سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف نظام مصطفےٰ ؐ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ پاکستان میں سواد اعظم اور اس کے رہنما نظام مصطفےٰ ؐ کے نفاذ لئے برابر کوشاں ہیں۔ ملتان میں ہونے والی سنی کانفرنس سواد اعظم کی امیدوں کا شامیانہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے نتائج سے آنے والی نسلیں مستفیض ہوتی رہیں گی۔

سُنیّوں کو خود آگہی مبارک

بلاشبہ خود آگہی کی ہے جو سرشاری تمہیں — لائق تبریک ہے یارو! یہ بیداری تمہیں

سنیّو! تیغِ محبت سے کرو غیروں کو رام — وار کرنا ہے ہر اک دل پر یہی کاری تمہیں

تم سوادِ اعظمِ اہلِ وطن ہو بے گماں — آخر آنا چاہیئے اسلوبِ دلداری تمہیں

جب نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو علمبردار تم — سعی کرنی ہوگی اس کے واسطے ساری تمہیں

تم پہ الطاف و عنایاتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں — زندگی میں کیسے ممکن ہے نگوں ساری تمہیں

عہدِ حاضر ہے رسول اللہ کے عشاق کا — کرنے ہونگے وقت کو فرمان سب جاری تمہیں

ہو نظامِ مصطفےٰ (صلِّ علیٰ) نافذ یہاں — جان و دل پر کرنا ہے جذبہ یہی طاری تمہیں

اور تحفظ بھی مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو ضرور — کام بخشا ہے خدا نے یہ بھی معیاری تمہیں

نام ہے صبح و مسا وردِ زباں سرکار کا — مدحِ محبوبِ خدا ہے کام سرکاری تمہیں

رحمۃ للعالمیں کے نام لیواؤں میں ہو — ڈھونڈتی پھرتی ہے ہر جا رحمتِ باری تمہیں

اولیاء و اصفیاء، اصحاب و اہلِ بیت کے — عشق کی مے سے ہے صبح و شام سرشاری تمہیں

اس کے ہر دکھ، ہر الم، ہر درد کا درماں کرو — دیکھتی ہے ساری خلقت درد کی ماری تمہیں

اب نہ سرگرمِ عمل ہونے میں کچھ تاخیر ہو — ہو گیا ہے اب جو احساسِ زیاں کاری تمہیں

تم کو رہنا چاہیئے اپنے تشخص کا خیال — لوگ کرنا چاہتے ہیں عشق سے عاری تمہیں

سنیّو! سرکار کا ذکرِ حسیں کرتے رہو — قیمت اس کے واسطے دینی ہے گو بھاری تمہیں

اعلیٰ حضرت کے تتبع میں ہو سرگرمِ عمل — دام میں لائیگی کیا غیروں کی مکاری تمہیں

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے — کیسے ایسوں سے گوارا ہو سکے یاری تمہیں

شکل میں پتھر کے، پائے گا یقیناً وہ جواب — اینٹ جس نا عاقبت اندیش نے ماری تمہیں

آؤ دل بھر کر کسی کی عقل کا ماتم کریں — دام میں لانے کو پھرتی ہے جو بیچاری تمہیں

دل کے کانوں سے سُنو، محمودؔ نے دی سُنیّو!

نظم یہ پیغام کی صورت میں کیا پیاری تمہیں

(راجا رشید محمود)

خواجہ رضی حیدر

اسلاف کی وراثت کا مقدمہ

جامع مسجد گلزار کراچی میں ہر ماہ ایک ادبی نشست ہوتی ہے جس میں مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ زیر نظر مضمون جناب خواجہ رضی حیدر نے ماہ رواں کی نشست میں پڑھا۔ ہم سنی کانفرنس کے اس مبارک موقع پر قارئین ترجمان اہلسنت کو دعوت فکر دینے کے لئے شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

تاریخ کی تلخ نوائیاں اور افراد کی بے وفائیاں ہمارے مقدر کا سرمایہ رہی ہیں ہجوم ادم میں رنج و غم کے سلسلے دراز اور مسرتوں کی دھوپ منڈیروں تک محدود ہے۔ اجنبی چہرے ہر طرف مسکراہٹوں کا جال پھیلائے ہوئے ہیں اور آشنا آنکھیں تاریکی کا لوگر ہیں۔ جسے دیکھو اور جس سے بات کرو اغیار کی صفات سے متصف نظر آتا ہے۔ اُسے نہ بزرگوں کی صدا یاد ہے نہ اپنی ہی ادا یاد۔ ہر طرف وہ غوغائے سگاں ہے کہ مسافر کو دامن بچانا مشکل ہے۔ سماعت میں لفظوں کا زہر اس قدر گھل چکا ہے کہ کان سنت کی حقیقت سے انکار پہ آمادہ ہیں۔ ہر قافلہ کا اپنا گجر ہے اور ہر شب کی اپنی سحر۔ ایسے میں شام کا حسین سلگتا منظر کہیں کھو کر رہ گیا ہے۔ کون جانے کہ وہ

منزل کب اور کہاں نمودار ہوگا۔ شکست و ریخت کے اس کارخانہ میں ہماری ٹوٹ پھوٹ کا عمل کب ختم اور اغیار کی تمنا کی خواہش کب سرد پڑے گی۔ وہ دن کب آئے گا جب سوادِ ریگزار میں ناقہ سوار و ساربان ساربانوں کی مزاج پرسی کو آئیں گے اور ساربانوں میں سفر کی نئی روح پھونکیں گے۔ کثرت کو وحدت میں تبدیل کریں گے اور وحدت کو اوجِ ثریا عطا کریں گے۔

عقل کہتی ہے کہ اب ایسا کبھی نہ ہوگا، لیکن دل ابھی امیدوں کی آماجگاہ ہے، خوابوں کا ایک سلسلہ ہے جو پلکوں میں آشیانہ کئے ہوئے ہے۔ مگر خوش وقتی کبھی خوش بختی کی علامت نہیں رہی۔ کوہ کنی شیوۂ مرداں ہے۔ تیشہ بدست ہاتھ سر جھکائے بیٹھے ہیں اور کاسہ بدست ہاتھ پستی کا نشاں۔

اجداد کی کاوشوں پر فخر مندی جہاں باعث سعادت ہے وہاں زوال کی علامت بھی۔ اپنی مٹی اور اپنا گارہ تعمیر کی نئی جہت کو دعوت دیتا ہے۔ جب کہ دوسروں کی تعمیر کردہ عمارتیں آثارِ ثقافت میں شمار ہوتی ہیں۔ شاہجہاں کا تاج محل بہادر شاہ کے لئے باعث فخر تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے زوال کی پردہ پوشی نہیں کر سکتا۔ ملا عبد القادر بدایونی کی وقائع نگاری مولانا عبد القادر بدایونی کے لئے باعث فخر تو تھی لیکن وجہ امتیاز نہیں۔ پدرم سلطان بود کی چھتری اپنے سروں پر تانے کب تک ہم نصف النہار سے بچاؤ کی تدبیریں کرتے رہیں گے۔ ہمارے آنگن میں علم کے دریا بہتے تھے اور آج ہم چلو بھر پانی کے محتاج ہیں۔ ہمارے اسلاف قلم کی چھیلیں چلا کر اپنے لئے جائے تیار کرتے تھے اور آج ہم قلم کے معرف سے ناواقف ہیں۔ ہمارے اسلاف کاغذ کے پرزوں پر لکھ کر سینکڑوں کتابیں مرتب کرتے تھے اور آج ہم صرف سند کے کاغذ پر اکتفا کر کے اپنے نام کے باؤں میں علامہ کا گھنگھرو باندھ کر خود فریبی کے عمیق سمندر میں غرق ہیں۔ صبح و شام نعروں کے ہجوم میں الفاظ کی میتیں دفناتے ہیں اور خود ستائشی کے ہجوم میں گھر لوٹ جاتے ہیں۔

ہم کو یہ نہیں معلوم کہ اب عشق اور مشک کے علاوہ جہالت بھی چھپائے نہیں چھپتی۔ جبہ و دستار کی تسکین بھی صرف سائنس کے ساتھ وابستہ ہے۔ یعنی یہی جہالت کی تاریکی اور گمنامی کا طوق۔ عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پورا اگر کسی کو دیکھنا ہو تو، آئے اور ہمیں دیکھئے۔

بلندی اور پستی میں تفریق کرنا ہو تو آئیے اور ہماری تاریخ کا تجزیہ کرے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس سے لے کر حضرت امام ابو حنیفہ تک اور حضرت امام ابو حنیفہ سے حضرت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تک ہمارے علم کے پرچم کہاں کہاں لہرائے۔ ہمارے علماء کی آوازیں کہاں کہاں گونجیں۔
مگر نہ ہمارے دوش پر علم کا پرچم ہے نہ ہماری آواز میں وہ دم خم۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم فالج زدہ ہاتھ
اور کینسر زدہ حلق کے ساتھ اس دنیا میں زندہ ہیں۔

اے برادران صفا اور محبان وفا ——— وقت اسپ بے لگام کی طرح سرپٹ دوڑ رہا ہے۔
اس کے سموں سے اٹھتی ہوئی گرد میں تم نہائے ہوئے ایک دوسرے کا منہ تکتے ہو۔ پس پردہ غبار
اغیار کا سورج طلوع ہو رہا ہے مگر تم بے خبر نغمۂ و مضراب، کر و ناؤ نوش میں تم کس کرامت کے منتظر ہو۔
مگر سنو! صفات اولیاء تمہارا ورثہ بھی ہیں اور تمہارا حصہ بھی۔ کرامت کا ظہور وہاں ہوتا ہے،
جہاں جہل مشغل ہو۔ تمہارا شجرۂ نسب تو علم کی دستاویز ہے۔

افسوس ساقیٔ کوثر کے ثنا خواں اور تمہاری زبان پر العطش العطش۔

یہ مقام نوحہ خوانی نہیں تو اور کیا ہے۔ داخلی کرب اور اضطراب کے سیل بے پناہ نے ہمارے
وجود کو متزلزل کر دیا ہے۔ روشنی کے وہ ذخائر جن سے براہ راست استفادہ ہمارا حق تھا اغیار
کے دل و دماغ کے لئے تجوریاں بنے ہوئے ہیں۔ اور ہم ابھی تک تاریک راہوں میں کھڑے ہیں۔ جو وقت
کی آواز پر کان دھرنا جانتے ہیں وہ تشکیک کی اس فضا میں پیچیدگیوں کی گرہ کشائی کے سامان تلاش
کر رہے ہیں۔ پرانے تجربوں سے نئی آگاہیوں کی تخلیق میں مصروف ہیں مگر اکثریت احساس سے محروم
عالم شکم سیری میں ذہنی تعیش کی متلاشی ہے۔

جن کے اسلاف نے اپنے علم و حکمت سے انسانی زندگی اور حیات و کائنات کی توجیہہ میں ایک
انقلاب بپا کر دیا تھا۔ آج وہ حیات و کائنات کے تقاضوں سے دور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بے نیاز
تقلید کی لاش تھامے گلی کوچوں میں موجود ہیں۔ آنکھوں پر تعصب کی عینک منڈھ کر دوسروں کی ترقی کو
دیکھتے ہیں اور اپنی تبرائی توپوں کے منہ کھول دیتے ہیں مگر اغیار کے بام و در کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ وہ
آج بھی مضبوطی سے اسی طرح کھڑے ہوئے ہیں بلکہ ان کی ساکھ اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو رہا ہے
ان کے اسلاف کا حسب جا عام ہے۔ انہوں نے جھوٹ کو سچ کر دکھایا ہے اور ہم سچائی کے وارث
ہوتے ہوئے بھی اپنی کسل مندی کے ہاتھوں آج تک سچائی کو عام کرنے میں ناکام ہیں۔ کون ہے جو اس
تضاد کے تدارک کو سوچے۔ کون ہے جو سچائی کے علم کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق عام کرے۔ کون

ہے جو ذاتی مفادات پر مسلک کی ترقی کو فوقیت دے۔ کون ہے جو اغیار سے قلم و قرطاس کی وراثت کا مقدمہ لڑے۔ کون ہے جو نئے رجحانات اور نئے اسالیب کے قالب میں اسلاف کے نظریات کو ڈھال کر جدید نسل کے سامنے پیش کرے۔ کون ہے جو جہالت کا پردہ چاک کرے اور علم کا بول بالا کرے۔ جو حالات کو آئینہ دکھانے کا فریضہ انجام دے۔ کون ہے جو ہٹ دھرمی سے کنارہ کش ہو کر مسلک کو درپیش خطرات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرے۔ گرد و پیش سے صدا آتی ہے کوئی نہیں۔

کوئی نہیں مگر آفتاب غروب ہو جانے کے بعد بھی ذرّوں کی چمک کہتی ہے کہ

آج آنکھوں میں کاٹ لے شب ہجر عمر ساری پڑی ہے سو لینا

شب ہجر کٹ جائے گی اور آفتاب ضرور طلوع ہوگا،

آؤ! طلوع آفتاب کے استقبال کی تیاریاں کریں تاکہ آنے والا دن ہماری جہالت کا ماتم کرتا ہوا شب ہجر میں غروب نہ ہو جائے اور پھر ایک پوری نسل کو طلوع آفتاب کا انتظار کرنا پڑے، اور کون جانے اُس وقت تک اغیار آفتاب پر بھی کمند ڈال چکے ہوں

شاید کوئی بندۂ خدا آئے صحرا میں اذان دے رہا ہوں

مولانا غلام دستگیر نقشبندی

وضو نہیں ٹوٹتا

س : کسی شخص کے زخم سے کیڑا گرا۔ کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

ج : وضو نہیں ٹوٹتا۔

÷ وقایہ ÷

مسافر کی امامت

س : مسافر پر چونکہ جمعہ فرض نہیں ہے۔ اگر مسافر جمعہ کی امامت کرے اسکی امامت درست ہے یا نہیں۔

ج : مسافر کی امامت مطلقاً درست ہے چاہے جمعہ کی ہو یا کسی اور نماز کی۔ ۔ عام کتب فقہ۔

نماز میں فرائض

س : نماز میں کتنے فرائض ہیں؟

ج : نماز کے اندر چھ (۶) فرض ہیں۔

۱۔ تحریمہ ۲۔ قیام ۳۔ قراءۃ ۴۔ رکوع ۵۔ سجدہ ۶۔ قعدہ آخیرہ ÷ قدوری ÷

نماز میں حضور علیہ السلام پر درود

س : امام نے قرأۃ میں قرآن کی وہ آیت پڑھی جس میں حضور علیہ السلام پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ط

کیا اس وقت مقتدی دل میں حضور علیہ السلام پر درود پڑھے یا خاموش رہے۔

ج : مقتدی پر لازم ہے کہ وہ نماز میں خاموش رہے اور کچھ نہ پڑھے ÷ قدوری ÷

نومولود کے احکام

س : نومولود کے کانوں میں اذان کیوں دی جاتی ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے۔
نومولود کا نام کتنے روز بعد رکھنا چاہیئے اور عقیقہ کیا ہے ؟

ج : مولود کے کانوں میں اذان اور اقامۃ حصول برکت کے لئے ہے۔ نیز مشائخ نے فرمایا ہے کہ وہ بچہ ام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔
دائیں کان میں اذان دی جائے اور بائیں کان میں اقامۃ کہی جائے۔
ولادت کے ساتویں روز مولود کا نام رکھا جائے۔
اور بچہ ہو تو دو بکرے یا دنبے ، بچی ہو تو ایک بکرا یا دنبہ عقیقہ کیا جائے اور عقیقہ سنت ہے۔
فتاوی اسعدیہ جلد ثانی

قربانی کا ثبوت

س : قربانی کس آیۃ سے ثابت ہے۔

ج : فصل لربک وانحر ہے۔

بلا اجازت قربانی

س : کسی شخص نے اگر بالغ اولاد یا بیوی یا والدین کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر قربانی کرلی۔
کیا یہ قربانی صحیح ہے ؟

ج : بلا اجازت ۔ واجب ادا نہ ہوا۔
÷ عالمگیری ÷

ختنہ کا وقت

س: بچے کی ختنہ کا وقت کون سا ہے؟

ج: ختنہ کی مدت سات سال سے بارہ سال کی عمر تک ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ولادت کے ساتویں دن کے بعد ختنہ جائز ہے۔ ÷ عالمگیری ÷

نام رکھنا

س: طٰہٰ۔ یٰسٓ۔ محمد نبی۔ احمد نبی۔ محمد رسول، احمد رسول۔ نبی الزماں نام رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

ج: اس قسم کے نام ناجائز ہیں

بعض تو حروف مقطعات ہیں جس کے معنی معلوم نہیں اور بعض میں غیر نبی کو نبی کہا گیا اور یہ بھی جائز نہیں۔ ÷ بہار شریعت۔ حصہ شانزدھم ÷

قربانی اور عقیقہ

س: قربانی کرنے والوں کے ساتھ عقیقہ والا اپنا حصہ ملا سکتا ہے؟

ج: جی ہاں! ملا سکتا ہے کہ عقیقہ بھی تقرب الی اللہ ہے۔ ÷ ردالمحتار ÷

ذبح کے وقت چھری پر ہاتھ

س: ایک شخص نے جانور دوسرے سے ذبح کرایا اور خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ دیا کیا یہ صحیح ہے؟

ج: دونوں نے بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر ڈالا تو قربانی اور ذبح جائز اور قصداً ان میں سے کسی نے بھی بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو جانور حلال نہ ہوا۔ ÷ بہار شریعت۔ حصہ شانزدھم ÷

عقیقہ کا گوشت

س: عوام میں یہ مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچے کے ماں باپ اور دادا دادی، نانا نانی نہ کھائیں۔ کیا یہ درست ہے؟

ج: یہ غلط ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

÷ بہار شریعت۔ حصہ شانزدھم ÷

گوجرانوالہ میں ۱۹۶۸ء کی

سُنّی کانفرنس

گوجرانوالہ میں پہلی سنی کانفرنس ۲۴، ۲۵ اگست بروز ہفتہ۔ اتوار۔ باغ جناح (شیرانوالہ باغ) میں منعقد ہوئی ہے۔ کانفرنس میں مندرجہ ذیل علمائے کرام شریک ہوئے مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی۔ صاحبزادہ فیض الحسن۔ صاحبزادہ کبیر علی صاحب چورہ شریف پیر صاحب سرھند شریف۔ پیر صاحب ذکوڑی شریف۔ پیر صاحب علی پور شریف۔ پیر صاحب بیلیانوالہ شریف صاحبزادہ محمد طیب صاحب ہری پور ہزارہ۔ پیر کرم شاہ صاحب مولانا لطیف احمد صاحب چشتی۔ مولانا اکرام حسین احمد مجددی۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی۔ مولانا مختار احمد گجراتی۔ مفتی حبیب اللہ صاحب کاموتکی۔ مولانا احسان الحق۔ مولانا محمد شریف ہزاروی۔ مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب۔ مولانا قاضی غلام محمود صاحب۔ مولانا عبدالعزیز چشتی۔ پیر صاحب دیول شریف۔ قاری غلام رسول۔ مولانا محمد شریف نوری قصوری مرحوم مفتی حبیب احمد صاحب وغیرہم اس کانفرنس میں ہم قرار دادیں پاس کی گئیں جن میں پہلی قرارداد انسداد فحاشی سے متعلق تھی جس کے الفاظ تھے ہمارا مطالبہ ہے کہ شہری ہوٹلوں۔ کلبوں۔ نام نہاد ثقافتی۔ تقریبوں۔ پارٹیوں۔ سینماؤں۔ فلموں میں اخلاق سوز نظارہ و بدکاری آموز نغموں ناچ رنگ مے نوشی۔ قمار بازی کی محفلوں کو کلیۃً ممنوع قرار دینے کا اقدام کیا جائے۔

دوسری قرارداد کا تعلق فوج میں امامت سے تھا اس دور میں ایک سازش کے فوج کیلئے ایسے مدارس کے مستند لوگوں کا تقرر کیا جاتا تھا جو ایک اقلیتی فرقہ سے متعلق تھے چنانچہ بعد میں حکومت نے سواد اعظم کے مدارس کے مستند حضرات کو بھی فوج میں امامت کا مستحق قرار دیا تیسری قرارداد محکمہ اوقاف کے ان اقدامات کے خلاف تھی جو واضح طور پر مسلک اہل سنت کے خلاف تھے۔ چنانچہ عوام کے شدید مطالبہ پر اوقاف کے سربراہ کو معزول کیا گیا۔ اسی کانفرنس ڈاکٹر فضل الرحمن کی برطرفی کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

یہ قراردادیں صاحبزادہ محمود احمد صاحب نے پیش کیں۔ اور صاحبزادہ منظور الٰہی صاحب نے تائید کی اور عوام نے ہاتھ اٹھا کر پر جوش آوازوں میں ان کو منظور کیا۔

تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

پندرہ روزہ ۔ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ

(موجودہ ماہنامہ رضائے مصطفےٰ)

مولانا محمد حسن علی رضوی بریلوی
— میلسی —

مفتی محمود کی بوالعجبیاں

کاغذی قومی اتحاد کے مطلق العنان فیلڈ مارشل "مفتی" محمود عجوبہ روزگار شخصیت کے مالک ہیں۔ انہیں قومی اتحاد (خدا جانے پاکستان میں کہیں ہے بھی یا نہیں) کی صدارت قومی اتحاد کے وجود سے زیادہ عزیز ہے۔ ملکی یا قومی سیاست پر ایک آدھ بیان بلاناغہ روزانہ دینا ضروری سمجھتے ہیں، مگر ان کے بیانات ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور قومی اتحاد میں ہوتے ہوئے ایسے بیان جاری فرماتے ہیں۔ جن سے مترشح ہوتا ہے۔ ع

سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں

وہ یوں تو پاکستان کے ازلی و ابدی دشمن مولوی حسین احمد "مدنی" ٹانڈوی کے سیاسی و "روحانی" شاگرد ہیں۔ مگر انہوں نے سیاست ایوب خان کے دور میں سیکھی ان کی پہلی سیاسی کامیابی تو یہ تھی کہ انہوں نے کٹر کانگریسی اور جمعیت العلماء ہند کے صدر مولوی حسین احمد "مدنی" کا شاگرد ہونے کے باوجود پاکستان میں قیام پاکستان کے بعد اپنی تنظیم کا نام جمعیت العلماء ہند کی بجائے جمعیت علمائے اسلام رکھا۔ تاکہ پاکستان دشمنی کا راز افشا نہ ہو۔ حالاں کہ مفتی محمود جمعیت علماء ہند کے رکن تھے۔ جو پاکستان کی خانی دشمن تھی۔ اور جمعیت علماء اسلام کے بانی مولانا شبیر احمد عثمانی تھے۔ اور وہی اولین صدر مفتی محمود حسن جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے اس جمعیت العلماء اسلام جس کے آج مفتی محمود سیکرٹری جنرل بنے بیٹھے ہیں، کے قیام پر تبصرہ فرمایا تھا " کلکتہ میں جمعیت العلمائے اسلام حکومت (برطانیہ) کی مالی امداد اور اس کے ایماء پر قائم ہوئی ہے...... گورنمنٹ (برطانیہ) ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دے گی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کر لی گئی۔ اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالے بھی کر دی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں (جمعیت العلماء اسلام) کا کام شروع کیا گیا" (مکالمۃ الصدرین صـ ۱۲)

بہرحال پاکستان میں مفتی محمود کی سیاسی بصیرت نے یہ محسوس کیا کہ یہاں جمعیت العلمائے ہند کے نام سے کام کرنا مشکل ہے۔ مشکل کیا ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا مفتی محمود نے بقول مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی انگریزی روپیہ سے قائم ہونے والی جمعیت العلمائے اسلام کے نام پر قابضانہ انداز میں قبضہ کرلیا۔ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

"جمعیت علماء اسلام" کے نام و اسٹیج پر قبضہ کرنے کے بعد مفتی صاحب کی دوسری کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے نقد معاوضہ پہ ایوب خاں کو صدارتی ووٹ دیا۔

سیاست میں مفتی محمود کی تیسری ماہرانہ پیش قدمی یہ تھی کہ جب ۱۹۷۰ء میں جملہ مکاتیب فکر کے علماء نے سوشلزم پر فتویٰ کفر دیا۔ تو مفتی صاحب نے ان کو سامراج کا ایجنٹ اور کافر ساز ملا قرار دیا۔ دھواں دھار تقریروں سے مفتیانہ انداز میں سوشلزم کو فتاویٰ کفر سے بچانے کی شبانہ روز مساعی فرمائیں۔

تیسری بڑی کامیابی یہ تھی ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجہ میں صوبہ سرحد میں دو لیڈروں میں وزارت حرام ہو گئی تھی۔ نتیجۃً بھٹو ولی مفتی اتحاد کے باعث جوڑ توڑ کے ذریعہ وزارت ملی یہ بھی ایک سیاسی رشوت نہیں نہیں معاذاللہ بلکہ سیاسی عنایت تھی۔ کیونکہ جس پارٹی کے دو یا تین ممبر ہوں وہ وزیر اعلیٰ تو کیا وزیر یا دنی بھی نہیں بن سکتا۔ الغرض وزیر اعلیٰ بننے کے بعد مفتی صاحب کی سیاسی بصیرت کے جوہر کھلے اور رعونت بر گردن کو شرنیازی انہوں نے اپنی وزیرانہ استعداد و قابلیت سے توپ تک کے لائسنس جاری فرمائے اور دوستوں کی شادی تک میں جانے کیلئے سرکاری ہوائی جہاز استعمال فرمائے جیسا کہ لائلپور کیلئے جھنگ شادی میں جانے والے ہوائی جہاز کو حادثہ ہوا مفتی صاحب کی وزارت کی کاغذی ناؤ اس وقت ڈوب گئی جب ان کے اتحاد کی بھٹو نے بلوچستان وزارت کو توڑ دیا تو مفتی صاحب کے پاؤں اکھڑ گئے انہوں نے...... سے بھی پہلے استعفیٰ پیش کردیا ؎

جان بچی لاکھوں پائے — مڑ کے بدھو گھر کو آئے

شاہی دربار اور مفتی محمود کی حاضری

وہ ایام وزارت میں بھٹو صاحب کے دست نگر و دریوزہ گر رہے جب بھٹو صاحب پشاور جاتے تو مفتی صاحب ان کے اعزاز میں اکیس بیانوں کی سلامی دیتے تھے پشاور ایئرپورٹ پر خود

دو تین گھنٹے دست بستہ استقبال کی سعادت عظمیٰ حاصل کرنے کیلئے استیادہ کھڑے رہتے تھے اور حسب طلب پریذیڈنسی کی حاضری سرمایہ حیات گردانتے تھے اور زبان حال سے پکار اٹھتے تھے"

تیری منزل تک پہنچنا کوئی آسان نہ تھا سرحد عشق سے گزرے تو یہاں تک پہنچے

بہر حال وزارت ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے۔ وزارت چھٹ گئی مگر سیاسی چسکا نہ چھوٹا اور نہ چھٹنے والی چیز ہے چنانچہ وزارت سے علیحدگی اور اپوزیشن میں موجودگی کے باوجود شاہ فیصل کی نماز جنازہ میں بھٹو کے ہمرکاب سرکاری اعزاز کے ساتھ ریاض بھی گئے۔ اور ریاض سے مراجعت پر بڑی بالغ نظری کے ساتھ شاہ فیصل کے قتل کا پس منظر بیان کیا اور سرکاری ردعمل سے بھی قبل اپنا درباری بیان جاری کر دیا۔

مفتی محمود اور قومی اتحاد کی صدارت

قومی اتحاد معرض وجود میں آگیا مفتی صاحب نے سمجھا انہیں ان کی استعداد قابلیت اور سیاست میں پیشہ ورانہ مہارت کے باعث صدر چنا گیا ہے حالانکہ یہ بات تو ارباب سیاست ہی زیادہ جانتے ہیں انہیں استعداد قابلیت کے باعث اتحاد کا صدر چنا گیا تھا یا اس خطرہ و خدشہ کے پیش نظر کہیں بھٹو ان کو پھر دو تین صدارت کے لالچ میں جمے تو رہیں گے ویسے بھی یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ ایسے موقعوں پر صدر اس کو بنایا جاتا ہے جو سو فیصد چہار شنبہ ہو ہر کوئی اس سے اپنی بات منوانے اور وہ ہر ایک کی ہاں میں ہاں کرتا چلا جائے مفتی صاحب نے اتحاد کی صدارت کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کے لئے استعمال کرنا شروع کیا نہ صرف اتحاد کے منشور کی دھجیاں اڑائیں بلکہ عہدہ صدارت سے اسطرح چمٹ گئے جس طرح ماضی میں بھٹو کرسی اقتدار سے چمٹ گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہے اور سب کے سامنے ہے کہ مسلم لیگ کے سوا تمام بااثر اور باقوت جماعتیں اتحاد سے علیحدہ ہو گئیں اور لیگ نے بھی اتحاد سے اپنی قوت منوا لی لیگ اتحاد کے فیصلہ کے برعکس حکومت میں شامل ہوئی اتحاد نے مخالفت کی اور پھر لیگ کے فیصلہ پر ایمان لاکر خود بھی حکومت میں شامل ہو گیا اسطرح مفتی صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت اور مقدس ہاتھوں سے اتحاد زندہ درگور کر دیا اور صحافتی دنیا نے انا للہ و انا الیہ راجعون کا ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

قومی اتحاد پر مودودی جماعت کا تسلط

آج مسلم لیگ خود مختار ہے اور باقی اتحاد (اگر یہ فی الواقعہ اتحاد ہے بھی) تو اس پر جماعت اسلامی کا طوطی بول رہا ہے صدر بلاشبہ مفتی محمود ہیں مگر عملی جماعت اسلامی کی ہے۔ مفتی محمود کا ایک

اور بیان اخبارات کی زینت بنا تھا کہ میں مارشل لاء کے ماتحت قومی حکومت میں شامل نہیں ہوں گا لیکن وزراء کی فہرست آخری شکل دینے والے خود بدولت ہی ہیں۔ اگر کچھ دنوں کے بعد موجودہ کابینہ کے خلاف تحریک چلے تو مفتی صاحب کی صدارت کی جگہ وہاں بھی محفوظ رہے۔ اتنا بیدار مغز اور بالغ نظر سیاست دان ڈھونڈے نہ ملے گا۔ ؏

خامہ کس قصد سے اٹھا تھا کہاں جا پہنچا

بات سے بات نکلتی چلی گئی ہم قارئین کرام کو مفتی صاحب کے ایک تازہ بیان کیطرف متوجہ کرنا چاہتے تھے جو اخبار "جنگ" کراچی کی ۲۹۔ اگست کی اشاعت میں شائع ہوا دیکھئے مفتی صاحب سیاست میں "ثریا" کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں یا نہیں فرماتے ہیں۔" (۱) ہم نے پاکستان کی مخالفت کبھی نہیں کی۔ (۲) نورانی میاں اگر مجھے ملک دشمن سمجھتے تھے تو میرے سکرٹری کی حیثیت سے کام کیوں کیا۔ (۳) مفتی محمود نے چیلنج کیا کہ ہمارے اکابر نے قائد اعظم یا مسلم لیگیوں کو کبھی کافر نہیں کہا۔ (۴) اگر نورانی میاں پسند کریں تو ہم انہی کی کتابوں سے حوالے دے سکتے ہیں جن میں قائد اعظم اور مسلم لیگی لیڈروں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔

اس پر بجز لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد ۔۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ مفتی صاحب ہی کا جگر گردہ اور انہی کی سیاست کا کرشمہ ہے کہ دن کو رات سے تعبیر کر رہے ہیں۔ پاکستان کی سر توڑ مخالفت کرنے کے باوجود پاکستان دشمنی کا سہرا مولانا نورانی کے سر باندھ رہے ہیں۔ مگر تاریخی حقائق کو کون چھپا سکتا ہے۔ حقائق پر کون پردہ ڈال سکتا ہے لہٰذا نمبر وار جوابات ملاحظہ فرمایئے۔

مفتی محمود نے پہلی بات یہ کہی کہ "ہم نے پاکستان کی مخالفت کبھی نہیں کی"۔ شاید مفتی صاحب کو یہ بات تو یاد ہوگی کہ وہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی جمعیت العلماء اسلام نہیں بلکہ مولانا حسین احمد "مدنی" کی جمعیت العلماء ہند کے رکن تھے۔ ہم تفصیل میں جانا اور بات لمبی کرنا نہیں چاہتے۔ مفتی محمود مکالمۃ الصدرین لے کر بیٹھ جائیں مکالمۃ الصدرین وہ مکالمہ ہے جو ۲، دسمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ مولانا شبیر احمد عثمانی کے دولتکدہ واقعہ دیوبند مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت العلمائے ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی سابق صدر جمعیت العلماء ہند مولانا احمد سعید سابق ناظم جمعیت العلماء ہند مولانا حفظ الرحمن حال ناظم اعلیٰ جمعیت العلماء ہند وغیرہ کے درمیان منعقد ہوا۔ مکالمۃ الصدرین مولانا شبیر احمد عثمانی کا مصدقہ اور مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی کا مرتبہ ہے مکالمۃ الصدرین کا مولانا حسین احمد یا جمعیت العلماء ہند کی طرف سے کوئی رد یا جواب یا انکار

بھی شائع نہیں ہوا جس سے پتہ چلتا ہے یہ مکالمہ نہایت معتبر و مستند اور مفتی محمود کے نزدیک یقیناً ہے حجت و قابل اعتماد ہے اس سے انحراف و انکار ممکن نہیں۔

"مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے پاکستان کی صورت میں جو نقصانات ان کے نزدیک تھے وہ زرا البسط کے ساتھ بیان کئے اور دکھلایا کہ مسلمانوں کے لیے نظریہ پاکستان سراسر مضر ہے۔" (مکالمۃ الصدرین ص۱۳، ۱۴)

"پاکستان نقصانات کا اظہار وفد جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے" کے زیر عنوان لکھا ہے: "مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے ...... ادھر مسٹر جناح یہ کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری طرز کی حکومت ہوگی ایسی شکل میں ظاہر ہے مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا۔" (مکالمۃ الصدرین ص۲۰، ۲۱)

"مولانا حسین احمد مدنی" صدر جمعیۃ العلماء ہند۔ مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً دس منٹ تک پڑھ کر سنایا ...... سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے۔ اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔" (مکالمۃ الصدرین ص۳۶، ۳۷)

★ "پاکستان کے قیام پر مولانا مدنی کا ایک اشکال" کے زیر عنوان لکھا ہے۔ مولانا حسین احمد صاحب نے فرمایا اچھا اگر پاکستان قائم ہوگیا تو ہندوستان و نامش کے لئے ہوگا۔ روس نے اگر حملہ کر دیا تو سرحد کے مسلمان بیچارے پس جائیں گے۔" (مکالمۃ الصدرین ص۴۰)

دوسری بات مفتی محمود نے یہ کہی ہے نورانی میاں اگر مجھے ملک دشمن سمجھتے تھے تو میرے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیوں کیا؟ یہ مفتی محمود کی خوش فہمی ہے۔ مولانا نورانی ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے سیکرٹری نہیں نہ ان کے ذاتی سیکرٹری رہے۔ نہ ان کے جماعتی سکرٹری نہ وزارتی سکرٹری رہے۔ باقی رہے رفیق باجوہ صاحب تو وہ اتحاد کے سکرٹری تھے اور انہیں اہل اتحاد نے سکرٹری بنایا تھا اسی طرح مفتی محمود کو بھی اتحاد کا صدر مولانا نورانی نے نہیں بنایا تھا بلکہ اتحاد میں شامل مختلف الخیال جماعتوں اور مختلف الخیال افراد نے بنایا تھا اگر مفتی صاحب ایسے قابل اور سیاسی بصیرت کے حامل ہوتے تو مولانا نورانی انہیں جمعیت العلماء پاکستان کا بھی صدر بناتے اتحاد پر مولانا نورانی کا مکمل کنٹرول و اختیار نہ تھا۔ پہلے وہ بھٹو اور ولی خان کے دست نگر و دریوزہ گر تھے۔ اور آج جماعت اسلامی کے دم چھلا بنے ہوئے ہیں۔ ان کا اپنا نہ کوئی اصول ہے اور نہ اصولوں پر استقامت۔ نہ ان میں قوت فیصلہ ہے۔ نہ فیصلوں کو

علمی جامہ پہنانے کی قدرت۔ اگر ان کے اپنے بقول مولانا نورانی کا ان کا سکرٹری ہونا ان کی صداقت و محب وطن ہونیکی دلیل ہے تو پھر خود مفتی محمود بھی سابق صدر و وزیر اعظم بھٹو کے ماتحت سرحد میں صوبائی وزیر اعلیٰ رہ چکے ہیں مفتی صاحب کا بھٹو کے ماتحت وزیر اعلیٰ رہنا بھٹو کی حقانیت اور ان کے موقف کی صداقت کی دلیل ہے، مولانا نورانی نے بعض مخصوص حالات و مجبوری میں اپنی صوابدید کے مطابق شرکت کی یہ ایسا ہی ہے جیسا ایک سانپ اور اژدھا کو مارنے کیلئے مختلف الخیال افراد خواہ ان کے نظریات کچھ بھی ہوں اکٹھے ہوجائیں۔ یا سیلاب وغیرہ کی صورت میں مل کر بند باندھیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے ایک دوسرے کے نظریات کو اپنا لیا ہے۔ یا ان کے ملت کش سیاہ ماضی کو فراموش کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک اتحاد ایک بڑے دشمن کے مقابلے میں مجبوری تھی۔ ورنہ وہ مفتی صاحب کی سیاسی بصیرت اور نظریاتی حقانیت کے قائل نہیں ہو گئے تھے۔ مفتی صاحب کو یاد ہوگا کہ خود انہوں نے بھی بھٹو کے مقابلہ میں مولانا نورانی کو وزارت عظمیٰ کا ووٹ دیا تھا جو اسلامی نکتہ نظر سے بیعت کے ہم معنیٰ ہے۔ اور پھر مفتی صاحب کو یہ کس نے بتادیا کہ سکرٹری کی حیثیت صدر سے کم ہوتی ہے۔ صدر تو نااہل و جاہل بھی ہو سکتا ہے۔ مگر سکرٹری ہمیشہ ذی استعداد و قابل بنایا جاتا ہے۔ اور صدر سکرٹری کے سہارے چلتا ہے۔ تعجب ہے مفتی صاحب اپنی صداقت کیلئے کتنی مضحکہ خیز دلیلیں تلاش کر رہے ہیں کہ عقل و شعور اپنا سر پیٹ لیتی ہے۔ تیسری بات مفتی صاحب کی چیلنج پر مبنی ہے مفتی محمود نے چیلنج کیا کہ "ہمارے اکابر نے قائد اعظم یا مسلم لیگیوں کو کبھی کافر نہیں کہا" چلو چھپی ہوئی مگر اس کو کیا کیجئے مکالمتہ الصدرین چھپا ہوا موجود ہے۔ آپ عمر کے آخری حصہ میں ہیں گور کے کنارے ہیں بظاہر اسلامی آئین کے علمبردار قومی اتحاد کے صدر بھی کہلاتے ہیں مگر فرما رہے ہیں کہ ہمارے اکابر نے قائد اعظم کو کافر نہیں کہا۔ جناب صرف کافر نہیں کافر اعظم کہا ہے آپ کے مسلمہ اکابر میں سے صدر دار العلوم دیوبند نے کہا ہے۔ آپ کے سیاسی اور روحانی استاد مولانا حسین احمد مدنی نے کہا ہے آپ کے علمی اور روحانی اور سیاسی مرکز دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث نے کہا ہے۔ لیجئے ملاحظہ فرمایئے "حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا مدلل و مسکت جواب مولانا حسین احمد صاحب کا بے بنیاد و بے دلیل فتوے" (مذکورہ بالا سرخی کے بعد متن ملاحظہ ہو) "نئی دہلی ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء مولانا حسین احمد صاحب نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیتے اور قائد اعظم کو کافر اعظم کا لقب دیتے ہوئے حال میں جو فتویٰ دیا تھا اس کا مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے اپنے مکتوب میں جو دہلی کے ایک روزنامہ میں شائع ہوا ہے حسب ذیل جواب دیا ہے" اسکے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا جواب ہے۔ (خطبات عثمانی پیغام ص۴۲

بحوالہ اخبار "رہبر دکن" حیدر آباد دکن ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی صدر جمیعت العلماء اسلام نے آپ دروغ کی قلعی کھول کر رکھ دی آپ کے مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکالمۃ الصدرین ص ۳۶ پر بھی یوں لکھا ہے "یہ پرلے درجہ کی شقاوت ہے کہ قائد اعظم کو کافر اعظم کہا جائے"

یا تو آپ خطبات عثمانی پیغام اور مکالمۃ الصدرین سے ناواقف ہیں یا مولانا حسین احمد صاحب کو اپنے اکابر میں شمار کرنا چھوڑ دیا ہے جیسے جمیعت العلماء ہند کا نام استعمال کرنا چھوڑ دیا یا پھر آپ دیدہ دانستہ دروغ بے فروغ کے ذریعہ عوام کی آنکھوں دھول جھونکنا اور اپنا دامن چھپانا چاہتے ہیں مگر حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

چوتھا بڑا تیر مفتی صاحب نے یہ مارا ہے کہ "اگر نورانی میاں پسند کریں تو ہم ان ہی کی کتابوں سے حوالے دے سکتے ہیں جن میں قائد اعظم اور مسلم لیگی لیڈروں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ جی ہاں آپ تو یہ بھی نورانی میاں کی کتابوں سے ثابت کر سکتے ہیں کہ سورج مشرق سے نہیں مغرب سے طلوع ہوتا ہے مفتی محمود نے یہ ایسی بات کہی ہے جو آج تک علماء دیوبند میں سے کسی نے بھی نہیں کہی کہ نورانی میاں پسند کریں تو ہم ان ہی کی کتابوں سے حوالے دے سکتے ہیں جن میں قائد اعظم اور مسلم لیگیوں کو کافر قرار دیا گیا۔ اس میں نورانی میاں کی پسند ناپسند کا کیا سوال ہے جب آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو کر ہی دیں زیر بحث بیان کیا آپ نے مولانا نورانی کی پسند کے مطابق دیا جب یہاں آپنے اپنی پسند چلائی ہے تو پھر قائد اعظم اور مسلم لیگیوں پر نورانی میاں کا فتویٰ کفر ثابت کرنے میں بھی آپ اپنی پسند کریں مگر پھر وہی سوال آپ کی گردن پر کھڑا ہو جائے گا جو نورانی میاں سے آپ کر رہے ہیں یعنی جب آپ کے علم و یقین میں یہ بات تھی کہ مولانا نورانی نے قائد اعظم اور مسلم لیگیوں پر کفر کا فتویٰ دیا تو آپ نے انہیں وزیر اعظم کا ووٹ کیوں دیا۔؟ انہیں جمہوری محاذ اور قومی اتحاد میں کیوں شامل کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے نزدیک قائد اعظم پر فتویٰ کفر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔؟ آپنے اپنے روزنامہ جنگ میں شائع شدہ اسی بیان میں مولانا نورانی کو دوبارہ اتحاد میں شامل ہونے کی بھی دعوت دی جب آپ کے نزدیک ان کا قائد اعظم کو کافر قرار دینا ثابت ہے تو پھر ان سے میل میلاپ اور اتحاد میں شامل کرنے کا کیا مطلب۔؟ بات دراصل یہ ہے آج کل اگر کانے کو کانا کہا جائے تو وہ بھی جواب میں کانا کہتا اور بدلہ لینے کی سوچتا ہے

مفتی محمود نے بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا کہ مولانا نورانی پسند کریں تو ہم ان ہی کی کتابوں کے حوالے دے سکتے ہیں جن میں قائد اعظم اور مسلم لیگیوں کو کافر قرار دیا گیا ہے، ہم مفتی صاحب کو چیلنج پر چیلنج کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف مولانا نورانی صاحب بلکہ ان کے استاد محترم علامہ سید غلام جیلانی صاحب ان کے والد بزرگوار مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صاحب ان کے روحانی مرکز و پیر خانہ کچھوچھہ مقدسہ کے مشائخ ان کے دینی و

علمی مرکز بریلی شریف ان کے جد طریقت امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے شہزادگان میں سے خلف اکبر و خلیفہ اعظم حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان صاحب خلف اصغر و خلیفہ امجد مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب سجادہ نشین بریلی شریف مولانا نورانی کی جمعیت العلماء پاکستان کے بانی خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی و حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی جمعیت کے اولین صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری جمعیت دوسرے مرکزی صدر مولانا شاہ محمد عبدالحامد بدایونی جمعیت کے تیسرے مرکزی صدر خواجہ محمد قمرالدین سیالوی یعنی حضرت مولانا نورانی تو کیا آپ

مبلغ دس ہزار روپے کا انعام

مولانا نورانی کے ان تمام بزرگوں جن سے ان کا دینی علمی روحانی سیاسی رشتہ و تعلق ہے اگر یہ ثابت کر دیں کہ انہوں نے قائداعظم اور مسلم لیگیوں کو کافر قرار دیا ہے تو ہم آپ کو مبلغ دس ہزار روپیہ انعام پیش کریں گے اور اس باب میں آپ کی صداقت کا لوہا مان لیں گے آپ اس طرح ثابت کریں جس طرح ہم نے آپ کے علمی و دینی مرکز مدرسہ دیوبند کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث اور آپ کی حقیقی جماعت جمعیت العلماء ہند کے صدر آپ کے علمی روحانی اور سیاسی استاد مولانا حسین احمد مدنی سے قائداعظم کو کافر اعظم کہنا ثابت کیا ہے ادھر ادھر بھاگنے اور اپنے دعویٰ کے برعکس دلیل پیش کرنے کی کوشش نہ کریں۔

مفتی محمود نے اپنے بیان کے آخر میں یہ بھی کہا کہ انہوں (مولانا نورانی) نے قومی اسمبلی میں خان عبدالولی کو اپوزیشن لیڈر تسلیم کیوں کیا تھا پھر وہ ان کے سکرٹری کی حیثیت سے کیوں کام کرتے رہے انہوں نے کہا جب میں اپوزیشن کا لیڈر منتخب ہوا تو نورانی میاں نے میرے سکرٹری کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ مفتی صاحب نے ایک سانس میں کتنی باتیں کہہ دیں۔

مفتی صاحب نے یہ بات اس انداز سے کہی ہے جیسے وہ خود بھی ولی خان کو نظریہ پاکستان کا مخالف سمجھتے ہیں جبھی تو کہا اسمبلی میں خان عبدالولی خان کو اپوزیشن لیڈر تسلیم کیوں کیا یہ سوال تو خود مفتی صاحب سے بھی ہو سکتا ہے جب ولی خان ان کے نزدیک قیام پاکستان کے مخالف تھے تو خود انہوں نے ولی خان کو اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر تسلیم کیوں کیا اس کا جواب تو خود ان کے ذمہ بھی ہے شاید مفتی صاحب پارلیمانی آداب سے ناواقف ہیں اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر ایک ہی ہوتا ہے دوسرا ولی خان منتخب ہوئے تھے مولانا نورانی نے ولی خان کو نامزد نہ کیا تھا منتخب ہونا کثرت سے رائے پر دلالت کرتا ہے اس پر مولانا نورانی کو قدرت حاصل نہ تھی کہ وہ کثرت رائے پر اثر انداز ہوتے مفتی صاحب مولانا نورانی سے گویہ پوچھ رہے ہیں انہوں نے اسمبلی میں

ولی خان کو اپوزیشن لیڈر کیوں تسلیم کیا لیکن کیا وہ خود بھی بتائیں گے کہ خود مفتی صاحب اور ولی خان اسمبلی میں مسلم لیگی سردار شوکت حیات کو اپنا لیڈر کیوں تسلیم کیا۔ ؛ کیونکہ مولانا حسین احمد مدنی نے تو مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا تھا (مکالمۃ الصدرین) لیکن آپ نے کونسل مسلم لیگ کے صدر سردار شوکت حیات کو اپنا پارلیمانی لیڈر کیوں تسلیم کر لیا۔ ؛ پھر اس سے قبل دوسرے صدر مسلم لیگ پیر صاحب پگاڑو کو متحدہ جمہوری محاذ کا صدر کیوں تسلیم کیا۔ ؛ اور اس قبل کنونشن مسلم لیگ صدر فیلڈ مارشل ایوب خان کو صدارتی ووٹ کیوں دیا۔ ؛ باقی رہا مفتی محمود کے خود پارلیمانی لیڈر ہونے کا معاملہ جب مفتی صاحب لیڈر ہوتے مولانا نورانی بیرون ملک تبلیغی دورہ پر تھے ان کی عدم موجودگی میں مفتی کو منتخب کیا گیا مگر مفتی صاحب خود بھی تو بتائیں انہوں نے مولانا نورانی کو وزارت عظمیٰ کا ووٹ کیوں دیا پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم ہی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے کابینہ وزیر اعظم کے ماتحت ہوتی ہے اس نے نورانی صاحب کو اپنا سربراہ کیوں تسلیم کیا۔ ؛ پھر آپ نے اپوزیشن کا پارلیمانی لیڈر ہوتے ہوئے بھٹو کی قیادت میں سعودی عرب کا دورہ شاہ فیصل کی نماز میں شرکت کیوں کی انکے ہوائی جہاز میں ان کے زیر سایہ کیوں گئے۔ ؛ یہ کیوں کیوں کا سلسلہ چل نکلا تو خود مفتی صاحب میں بے شمار کیوں نکل آئیں گی مولانا نورانی مفتی محمود کے ذاتی یا جماعتی سیکرٹری نہ تھے اپوزیشن کے پارلیمانی سیکرٹری تھے اور پارلیمانی نظام میں سیکرٹری ہی سب کچھ ہوتا ہے اور وہ ذی استعداد قابل شخص ہوتا ہے سارا کام سیکرٹری کے سر پر ہوتا ہے۔

مگر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مفتی محمود مولانا نورانی پر بے تحاشا الزام تراشی کے باوجود ان سے اتحاد سے علیحدگی کے فیصلہ پر نظرثانی کرنے اور اتحاد میں دوبارہ شامل ہونے کی اپیل کر رہے ہیں جن کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ مفتی محمود کی الزام تراشی میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیئے

۱۹۶۴ء کی آل پاکستان سُنی کانفرنس

۴۔ ۵ دسمبر ۱۹۶۴ء میں داتا کی نگری لاہور شہر میں کل پاکستان دو روزہ سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک بھر سے علماء اہلسنت جمع ہونے اور تقاریر و بیانات کے ذریعہ عوام اہلسنت کی رہنمائی فرمائی۔

اسٹیج سیکرٹری کے فرائض شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب نے انجام دیئے اس موقع پر کانفرنس کی آخری نشست میں حزب الاحناف لاہور کے ۳۱ فارغ التحصیل علماء کو دستار بندی بھی کی گئی۔ یہ کانفرنس باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں منعقد ہوئی۔

تلخیص ابو المعین محمد امین کرمی

کُل پاکستان سُنّی کانفرنس (دارالسلام ٹوبہ)

۸-۹- ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ - ۱۳-۱۴ جون ۱۹۷۰ء دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں سُنّی کانفرنس کا خطبہ استقبالیہ علامہ سید محمود احمد رضوی نے دیا۔ آپ نے فرمایا! حضرات علمائے کرام مشائخ ملت عمائدین اہلسنت میں صمیم قلب کے ساتھ آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اور کلمہ حق کی حمایت و نصرت کے لئے دور دراز کے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے کل پاکستان سنی کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ علامہ محمود احمد رضوی نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مسلمانوں اور علامہ مختار الحق صاحب نعیمی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کانفرنس کو ایمان افروز اور باطل سوز قرار دیا۔ آپ نے فرمایا حضرات علماء و مشائخ آج لادینی طاقتیں الحاد و زندقہ پر مبنی سیاسی و اقتصادی نظام رائج کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور نظریہ پاکستان کے دشمن گاندھی و نہرو کے دیرینہ نیازمند اکھنڈ بھارت اور متحدہ قومیت پر عقیدہ رکھنے والے چند کانگریسی مولوی اشتراکیت کو خلافت راشدہ کا نام دے رہے ہیں۔ اور نسلی منافرتوں کے فتنے جاگ اٹھے ہیں۔ سندھ میں جئے سندھ کا نعرہ پرورش پا رہا ہے اور سرحد میں پختونستان کی تحریک سر ابھار رہی ہے۔ اور مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اور اس نازک موڑ پر اکابرین و عمائدین وقت نے وقت کے تقاضوں کو لبیک نہ کہا تو اس کا خمیازہ پوری قوم بلکہ آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔ آپ یہ واضح کر دیں کہ پاکستان صرف اور صرف اسلام کے لئے ہے۔ اور اسلام کے سوا اس خطہ پاک میں کسی اور ازم کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔ علماء اہل سنت دین اور بے دینیت کی اس کشمکش میں اسلام کا پرچم کبھی سرنگوں نہ ہونے دیں گے اور سالمیت پاکستان کا علم ایمانی جرأت کے ساتھ بلند رکھیں گے اور یہ کانفرنس پاکستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرے گی۔ اور سوشلزم اور کمیونزم کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگی۔

اس تاریخی کانفرنس کی پہلی نشست میں مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب کی تاریخی نظم بڑی مقبول ہوئی۔

پیر پگارا کے صاحبزادے کو وطن واپس لایا جائے

۱۹۵۰ء کی سنی کانفرنس منعقدہ کراچی کا مطالبہ

تلخیص:

مولانا عبدالمنعم ہزاروی

۲۳۔۲۵۔۲۶۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں آرام باغ کراچی میں صوبہ سندھ کی یہ کانفرنس جس کے ڈائس پر چار سو مندوبین کے بیٹھنے کا اہتمام کیا گیا تھا مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی تمام کاموں کے خود نگران اعلیٰ تھے علماء کی رہائش کا انتظام سندھ مدرسہ کی عمارت میں کیا گیا تھا۔ ان اجلاسوں میں حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ اسلام خواجہ محمد قمرالدین صاحب سیالوی۔

حضرت پیر ہاشم جان صاحب مجددی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مشوری مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مولانا قاضی میاں ولی محمد صاحب بلوچستان مولانا پیر غلام احمد جان صاحب۔ پیر عبدالغفار جان صاحب۔ وغیرہ اور علماء نے شرکت کی۔ ۲۴۔ مارچ کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی نے علامہ بدایونی کے اصرار پر میمن مسجد بندر روڈ میں نماز جمعہ پڑھائی اور مختصر خطاب فرمایا۔

اسی دن جمعیت کی قائم کردہ نیشنل گارڈ کی پریڈ ہوئی تو خواجہ صاحب نے پریڈ کا معائنہ فرمایا۔

۲۴ مارچ کے اجلاس میں پہلی نشست کی صدارت خواجہ محمد قمرالدین صاحب نے فرمائی علامہ بدایونی صاحب نے تعارف کرایا مولانا ضیاء القادری صاحب نے نعت پڑھی اس نشست میں خصوصی زعماء میں جناب عبدالمنعم حدوی مصری ایڈیٹر العرب مصر۔ جناب یوسف جامعۃ المساجد۔ وزیر امور حج سعودیہ عربیہ۔

مولانا مفتی مظفر احمد صاحب دہلوی مولانا مفتی صاحب خانصاحب مولانا عبدالسلام باندوی مولانا ظہور الحسن صاحب درس کے علاوہ مولانا مسعود احمد صاحب وغیرہم حضرات شریک ہوئے۔

۲۵۔ مارچ کی صبح سندھ مدرسہ کے ہال میں کانفرنس کی مجلس مضامین کا اجلاس ہوا۔ صدارت حضرت خواجہ محمد قمر الدین صاحب نے فرمائی۔

۲۵۔ مارچ کے دوسرے اجلاس کی صدارت صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم صاحب نے کی اس اجلاس میں مولانا بدایونی نے اس قدر رقت انگیز تقریر جہاد کے موضوع پر کی پورا مجمع جذبات کے طلاطم تھا علماء و مشائخ رو رہے تھے۔ اسی حالت میں تمام اکابر نے بیعت جہاد کی ۔۔۔ مولانا بدایونی نے اپنا عمامہ اتا حضرت شیخ الاسلام کو اور دوسرے اکابر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اے اللہ تجھ سے عہد و میثاق کرتے ہیں کہ ہماری زندگی جہاد کے لئے وقف رہے گی۔ سردار محمد ابراہیم صاحب نے علمائے اہلسنت کی شاندار خدمات کو خراج تحسین پیش کیا کہ ان حضرات نے قیام پاکستان اور کشمیر کے لئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ آخری تقریر حضرت علامہ ابوالحسنات صاحب کی تھی مولانا عبدالسلام باندوی صاحب نے سلام پڑھا۔

تیسرا اجلاس

صدارت حضرت پیر غلام مجدد صاحب شکارپوری اس اجلاس سے پیر ہاشم جان صاحب مولانا عبدالکریم صاحب مولانا ظہور الحسن درس صاحب نے خطاب فرمایا۔

شام ۵ بجے پیر شاہ آغا صاحب حیدری کی تعیناتی میں اکھاڑے کا مظاہرہ ہوا جس میں قدیم فن بنوٹ لکڑی تلوار وغیرہ دکھائے گئے آخری اجلاس سے نورانی صاحب کے بھائی جناب جیلانی میاں صاحب اور سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مولوی ابوبکر حلیم صاحب اور حضرت خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی نے خطاب فرمایا۔

اس کے بعد قرار دادیں منظور کی گئیں جنکے عنوان درج ذیل ہیں کشمیر۔ مسلمانان ہند۔ فوجی تربیت۔ اسلامی دستور۔ انسداد و شراب نوشی۔ تعطیل جمعہ۔ حج ٹیکس۔ سندھ یونیورسٹی میں دینیات کی منظوری۔ حجاج کا مسئلہ تصویر کشی پیر پگاڑا کے فرزندوں کی واپسی کا مطالبہ اس تجویز کے محرک مولانا ظہور الحسن درس تھے اور موید مولانا عبدالکریم صاحب وغیرہ وغیرہ

تلخیص از رپورٹ جمعیت علمائے پاکستان

صوبہ سندھ۔ کراچی کانفرنس

مرتبہ مولانا محسن فقیہ صاحب

جمیل احمد صدیقی جمالی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

کل پاکستان سُنّی کانفرنس مُلتان

کیلئے

لمحۂ فکریہ

ملتان میں کل پاکستان سنی کانفرنس کا انعقاد ۱۶، ۱۷، اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ہو رہا ہے۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے گوشہ گوشہ سے تحفظ ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فروغ کے لیے علماء، مفکرین، محققین، صوفیاء کرام اور مشائخ عظام، طلبا، محنت کش لوگ غرضیکہ سُنی مسلک کے ہر طبقۂ فکر و خیال کے لوگ شرکت کریں گے اس کانفرنس کا مقصد کیا ہے۔ اس کے غرض و غایت کیا ہیں اسکے اسباب و علل کیا ہیں۔ کن وجوہات کے پیشِ نظر یہ کانفرنس ضروری ہے ان تمام باتوں پر پہلے غور و خوض بہت ضروری اور دور رس اہمیت کا حامل ہے ان حالات کا تقاضہ ہے کہ سُنی کانفرنس بلائی جائے۔ اور اس میں مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جائے، کیونکہ یہ وقت زبانی جمع خرچ کا نہیں ہے۔ بلکہ عمل کرنا ہمارا ملی اور مذہبی فرض ہے۔

موجودہ دور میں اگر کسی مکتبۂ فکر کے لوگ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اگر کسی کو راستہ دکھائی نہیں دیتا تو وہ سُنی حضرات ہیں ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اقلیت ان کی غیرت کو للکار رہی ہے مگر یہ جذبہ رواداری کے تحت بے خبر اور بے فکر اپنی زندگی کے شب و روز گذار رہے ہیں۔ اقلیت اکثریت پر غالب آنے کے لیے ہر وقت کوشاں اور تیار ہے۔ اگر باہمی ضبط کو بڑھایا جائے اور سابقہ کوتاہیوں پر ندامت کی جائے۔ اور عزم و عمل سے کام کیا جائے۔ تو سُنی مسلک میں ایسی جان پڑ جائیگی کہ اس مسلک کے دشمن کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اس وقت تو یہ حال ہے۔ کہ ملت اسلامیہ کے اس سب سے بڑے مسلک کے لوگوں کی بے توجہی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے سُنی مسلک کے لوگوں کی زبوں حالی اور پریشانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مسلک کے دشمن ان لوگوں کو اپنے حلقہ اثر اپنے مسلک اور عقیدہ میں شامل کر رہے ہیں۔ سُنی حضرات ہیں کہ اِن کے سوچنے اور بولنے کی قوت سلب ہو کر رہ گئی ہے۔ اکثریت کا استحصال اقلیت کر رہی ہے۔ سُنی مسلک کے مقابلے میں دیگر جماعتیں جو جداگانہ نظریات رکھتی ہیں وہ منظم اور متحد ہیں۔ نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے ذرائع پر اقلیت کا قبضہ ہے جبکہ اکثریت افتراق اور بے چینی کے عالم میں ہے۔ ان تمام حالات میں وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔

مشائخ وعلمائے کرام وعوام اہل سنت منظم اور متحد ہو کر اغیار کے حملوں سے بچنے کی تدبیر بنائی جائے اور آنیوالی نسلوں کو بھی اس بات سے خبردار رکھا جائے۔ کہ کون دوست ہیں، کون دشمن تاکہ وہ ان کے دام فریب میں نہ آئیں ان کو تاریکی اور گمراہی سے نکالا جا سکے سواد اعظم کو از سر نو منظم کیا جائے۔ لوگوں کو اس بات پر آمادہ اور تیار کیا جائے۔ کہ وہ ظاہری چمک دمک پر نہ جائیں، بلکہ اصل اور صحیح حقیقتوں کو سمجھیں اور اغیار کے مقابلے میں ایک دوسرے کا دست بازو بن جائیں۔ سنی کانفرنس سنی حضرات کو بیدار کرنے کے لیے منعقد کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں کو کانفرنس کے ذریعہ تمام باتوں سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ کن کن ذرائع اور طور طریقوں سے ان کے مسلک پر حملے کئے جارہے ہیں۔ کن کن ذرائع سے ان کے عقائد و نظریات کو مسخ کیا جارہا ہے عقائد حقہ کو کس طرح غلط طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اقلیت کے حامی اور مددگار ہمارا نکے ذرائع ابلاغ نشر و اشاعت ہر وقت چوکنے اور چوکس رہتے ہیں، اور سواد اعظم کو کمزور سے کمزور تر کرنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ ان کی مطبوعات میں جس جس طرح غلط بیانی اور رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ اس کو صحیح معنوں میں عام لوگوں کو سمجھانا بھی کانفرنس کی سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ کہیں سیدھے سادے لوگ اقلیت کے اس خوش نما فریب میں پھنس کر نہ رہ جائیں وقت کی سنی حضرات سے دردمندانہ پکار یہ ہے۔ کہ وہ ماضی کی خامیوں اور غلطیوں کو بھول جائیں اور اپنی پوشیدہ اور فطری قوت کو بروئے کار لائیں تاریکیوں کو مٹا کر ہر طرف روشنی ہی روشنی بکھیر دیں۔

سنی حضرات کے استحصال کے لیے طرح طرح کی جماعتیں اور انجمنیں سرگرم عمل ہیں۔ ان کی دل کھول کر مالی معاونت کی جاتی ہے۔ ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ تصنیف اور تالیف کے ذرائع بھی ان کے پاس بہت زیادہ ہیں جبکہ سنی حضرات کے ہاتھوں میں یہ ذرائع بہت ہی کم ہیں۔ ادبی اور تحقیقی کام بھی بہت کم ہو رہا ہے اس کے مقابلہ میں اغیار بڑی تیزی سے اپنا مقصد پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ کہ سنی حضرات ان کی مطبوعات سے متاثر ہو رہے ہیں سواد اعظم کی اپنی الگ اور جداگانہ حیثیت ہے لیکن اس میں جامعیت ایک حد تک مفقود ہیں۔ اقلیتی فرقوں کی اور ان کے عقائد و نظریات کی اشاعت بڑے زبردست پیمانہ پر ہو رہی ہے۔ آئندہ نسل پر بھی اس صورت حال کا بہت گہرا اثر پڑے گا۔ ان کے لٹریچر کو پڑھ کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر ان کا مسلک اختیار کرنے پر مجبور ہونگے ایسے حضرات کو حقائق کا آئینہ دکھانا چاہیے ہمارے اکابر دین کو اس طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ متاثر اور گمراہ ہو چکے ہیں۔ ان کو راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے قوت تحریر و تقریر کے ذریعہ لوگوں کا تحفظ کیا جائے۔ گذشتہ تیس سال سے اقلیتی فرقے پاکستان میں چھائے ہوئے ہیں

نصاب تعلیم

ہمارے نصاب تعلیم میں بھی اقلیت کے مسلک کا زور نمایاں ہے اکثریت کے لوگوں کو اقلیت کے لوگوں کی عقائد و نظریات کی تعلیم دی جارہی ہے۔ نصاب تعلیم میں اب تک اکثریت یعنی سنی حضرات کو اقلیتی مسلک سے تعلق رکھنے والے مصنفین حضرات کا مواد پڑھایا جاتا ہے اس کا بھی سدباب

کرنا کانفرنس کا فرض اولین ہونا چاہیے نصاب تعلیم میں اکثریت کے حقوق کو غصب نہ کیا جائے، اکثریت کے تناسب کے لحاظ سے نصاب تعلیم میں مواد کو پیش کیا جائے۔ اردو ادب ہو یا اسلامی ادب اس پر اقلیتی فرقوں کے حضرات چھائے ہوئے ہیں اور برابر اکثریت کے حقوق کو پامال کیا جارہا ہے ہمارا مقصد کسی قسم کی فرقہ واریت پھیلانا نہیں بلکہ اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اُمید ہے کہ کانفرنس اس سلسلے میں اپنے فرائض پورے کریگی

یسے اور اجتماعات تو پاکستان کے گوشہ گوشہ میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں، مگر اس کانفرنس میں لوگوں کو دعوت فکر و عمل دینی ہے۔ دشمن کے دام تدبیر سے لوگوں کو نکالنا ہے۔ اس کے لیے ایک منظم اور پائیدار لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے تاکہ اقلیت اکثریت پر غلبہ حاصل نہ کر سکے ہمارے اب تک جو حقوق تلف ہو چکے ہیں آئندہ ہمارے حقوق کی پامالی نہ ہو اور آنے والی نسلوں کو بھی اس گمراہ کن پروپیگنڈے سے نکالا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ اور شعور عطا فرمائے۔

اگر ہم اس وقت نہ سنبھلے تو پھر ہمارا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا پھر ہمیں اللہ اور رسول کبھی معاف نہ کرے گا۔ ہمیں اغیار کی عیارانہ چالوں سے ہر وقت چوکنا اور خبردار رہنا پڑے گا۔ اور اپنے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنا ایک خاص مقام پیدا کرنا ہوگا دنیا اچھی طرح جان لے کہ ابھی اس سرزمین پاک پر ایسے لوگ زندہ ہیں۔ جو اسلام کے سچے شیدائی اور روح رواں ہیں اگر اسلام کے تحفظ کے لیے انہیں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانا پڑا تو وہ کبھی بھی اس سے دریغ نہیں کرینگے۔ انشاءاللہ تعالیٰ

پیغام

مولانا محمد طفیل صاحب مہتمم شمس العلوم کراچی و جنرل سیکرٹری، مرکزی ایڈ ہاک کمیٹی جماعت اہل سنت:

تمام اہل سنت، و جماعت، علماء، مشائخ، وکلاء، طلباء، مزدوروں اور انسانوں غرضیکہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے والے احباب سے پُر زور اپیل ہے کہ ملتان شریف میں منعقد ہونے والی "کل پاکستان سنی کانفرنس" میں خود شرکت کریں اور اپنے احباب میں "ملتان چلو" تحریک چلائیں۔

وہابیت کی بڑھتی ہوئی یلغار سے اہل سنت و جماعت اور ان کے حقوق کا تحفظ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم منظم ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں، انشاءاللہ العزیز یہ کانفرنس اہل سنت کی تنظیم کے لیے سنگ میل ثابت ہوگی۔

محمد صدیق خان قادری
رکن مرکزی رویت ہلال کمیٹی (ملتان زون)

نمائندہ ترجمان اہلسنت
برائے ملتان

مدینۃ الاولیاء (ملتان)

تاریخ کے آئینے میں

مدینۃ الاولیاء، ملتان ہمیشہ سے علمی، ادبی اور روحانی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس کی تاریخی اور دینی حیثیت مسلمہ ہے۔ یہاں پر اولیائے کرام کے مزارات کثرت سے موجود ہیں، اسی لئے اسے مدینۃ الاولیاءُ کہا جاتا ہے۔ انہیں خصوصیات کے پیش نظر جماعت اہلسنت پاکستان، ملتان میں ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ اکتوبر کو ایک عظیم الشان کل پاکستان سُنی کانفرنس کا انعقاد کر رہی ہے۔ اس مناسبت سے اس مضمون میں ملتان کی قدیم تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ملتان کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شہر کب اور کیسے آباد ہوا۔ اسی طرح اس شہر کے نام کے بارے میں بھی مختلف کار روائیاں کی جاتی ہیں۔ زمانۂ قدیم میں ملتان شہر کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا رہا ہے۔

مشہور چینی سیاح ہیون سانگ نے جب ۶۴۱ء میں ملتان کا سفر کیا تو اپنے سفرنامہ میں اسے مولوسان پولو لکھا، البیرونی ایک کشمیری مصنف کے حوالے سے اس شہر کا نام ملتانا لکھتا ہے۔ ایک اور تاریخی حوالے سے اس قدیم شہر کو ملتان بھی کہا جاتا رہا ہے۔ اسی طرح مختلف ادوار میں ملتان کے کئی نام ملتے ہیں جن میں کشپ پور، پرہلاد پورہ، سنت پورہ، ہنس پورہ، بھاگ پورہ، مول استھان پورہ اور پھر ملتان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان ناموں کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ مگر اس مختصر سے مضمون میں اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

ضلع ملتان کا رقبہ ۵۶۳۳۰ مربع میل ہے۔ پورے ضلع کی آبادی ۵۲،۷۷،۱۰،۵۴ ہے۔ جبکہ شہر کی کل آبادی ۱۳،۷۵،۲۵۳ نفوس ہے۔ اس کے شمال میں ضلع جھنگ، جنوب میں بہاولپور، مشرق میں

ملتان میں نواب عبدالصمد کی تعمیر کردہ تاریخی عیدگاہ جہاں علامہ سید احمد سعید کاظمی کا رجعہ و عیدین سے خطاب رہا ہے

ساہیوال اور مغرب میں مظفر گڑھ کے اضلاع واقع ہیں۔

ملتان اولیاء و مشائخ کا مسکن ہے۔ برصغیر کے عظیم صوفیائے کرام یہاں مدفون ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام غوث بہاؤالدین زکریا۔ قطب العالم حضرت شاہ رکن عالم نوری حضوری۔ حضرت پیر موسیٰ پاک شہید۔ حضرت شاہ یوسف گردیز۔ حضرت بی بی پاک دامن۔ حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی۔ حضرت شاہ شمس سبزواری۔ حضرت پیر عمر۔ اور دیگر اولیائے کرام کے مزارات ہیں جو مختلف ادوار میں سرزمین ملتان کو نور ہدایت سے منور کرتے رہے ہیں۔ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا کے زمانے میں یہاں برصغیر کی سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی "مدرسہ بہائیہ" کے نام سے قائم تھی، جہاں نہ صرف علوم دینی بلکہ علوم دنیوی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ خصوصاً فن کتابت و خوشنویسی

کے بھی خاص شعبے قائم تھے۔ تاکہ طلباء فارغ التحصیل ہونے کے بعد معاشی طور پر بھی خوشحال ہوں اس یونیورسٹی سے حضرت فریدالدین گنج شکرؒ۔ حضرت شاہ جلال سلہٹیؒ۔ حضرت خواجہ حسن افغانؒ حضرت شہباز قلندرؒ۔ حضرت جلال الدین اچوی۔ میر سادات حسینی بہروتی اور دیگر کئی علمائے کرام اور مشاہیر نے اکتساب فیض کیا۔

ملتان شہر کو تاریخی شخصیتوں کی جائے پیدائش ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ محمد تغلق، بہلول لودھی۔ اور احمد شاہ ابدالی اسی شہر میں پیدا ہوئے۔

اٹھارھویں صدی قبل مسیح میں مصر کے بادشاہ سائرس نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ملتان شہر اس کے قبضہ میں چلا گیا۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں تاتاری گروہ ہندوکش کی گھاٹیوں سے اتر کر سندھ کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے ملتان تک بڑھ آئے۔ مگر یہاں سے شکست کھانے کے بعد سندھ میں پٹ دینے پر مجبور ہو گئے۔

۳۲۵ قبل مسیح میں جب سکندر اعظم ملتان پر حملہ آور ہوا تو یہاں مالی قوم آباد تھی۔ جو بڑی جنگجو اور بہادر تھی۔ سکندر کو ان کے ساتھ سخت مقابلہ کرنا پڑا اور وہ زخمی ہو گیا۔ مالی قوم کو شکست اور سکندر کی فوج نے قلعہ کو آگ لگا دی۔ جس برج کے قریب سکندر زخمی ہوا تھا اس کی فوج نے وہاں خون کا بازار گرم کیا۔ اس وجہ سے یہ برج آج تک خونی برج کہلاتا ہے۔ (راقم الحروف کی رہائش اسی برج کے قریب ہے) سکندر کے جانے کے بعد چندر گپت موریہ نے یونانیوں سے حکومت چھین لی بعد میں ملتان سمیت پورے ہندوستان پر اس کے بیٹے اشوک کی حکومت قائم ہو گئی۔

اسلام کا عظیم جرنیل محمد بن قاسم جب سندھ فتح کرتا ہوا ملتان پہنچا تو یہاں پر چچ برہمن قابض تھے راجہ داہر اسی قبیلے سے تھا۔ سندھ کی مشہور اور مستند تاریخ چچ نامہ انہی کے نام پر لکھی گئی تھی۔

محمد بن قاسم نے ملتان شہر سے تین میل دور پڑاؤ کیا۔ جہاں اس نے پڑاؤ کیا یہ مقام اس کے نام کی وجہ سے آج تک قاسم بیلہ کہلاتا ہے۔ بعد میں تھوڑے عرصے کے لئے یہ علاقہ محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے تسلط میں رہا۔ اسی طرح التمش، سلطانہ رضیہ اور فیروز خلجی بھی کچھ وقفے کے لئے ملتان کے حکمران رہے۔ ۱۳۹۷ء میں امیر تیمور نے ملتان کو فتح کیا۔ اور خضر خاں کو حاکم ملتان مقرر کیا۔ ۱۵۲۶ء میں مغلیہ سلطنت کے بانی بابر کے تخت پر قبضہ کے بعد ۱۵۲۸ء میں وزیر ارغون خان ملتان پر قابض ہو گیا۔ شیر شاہ سوری نے اپنے دور میں ملتان کے اہم مزارات کے ساتھ ساتھ مساجد بھی بنوا دیں۔ مشہور مغل فرمانروا شاہ جہاں کے عہد میں شہزادہ مراد بخش والیٔ ملتان بنا۔ بعد میں یکے بعد دیگرے کئی صوبیدار ملتان کے حاکم بنے۔ بیرون شہر تاریخی

ملتان میں حضرت شاہ یوسف گردیز رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک
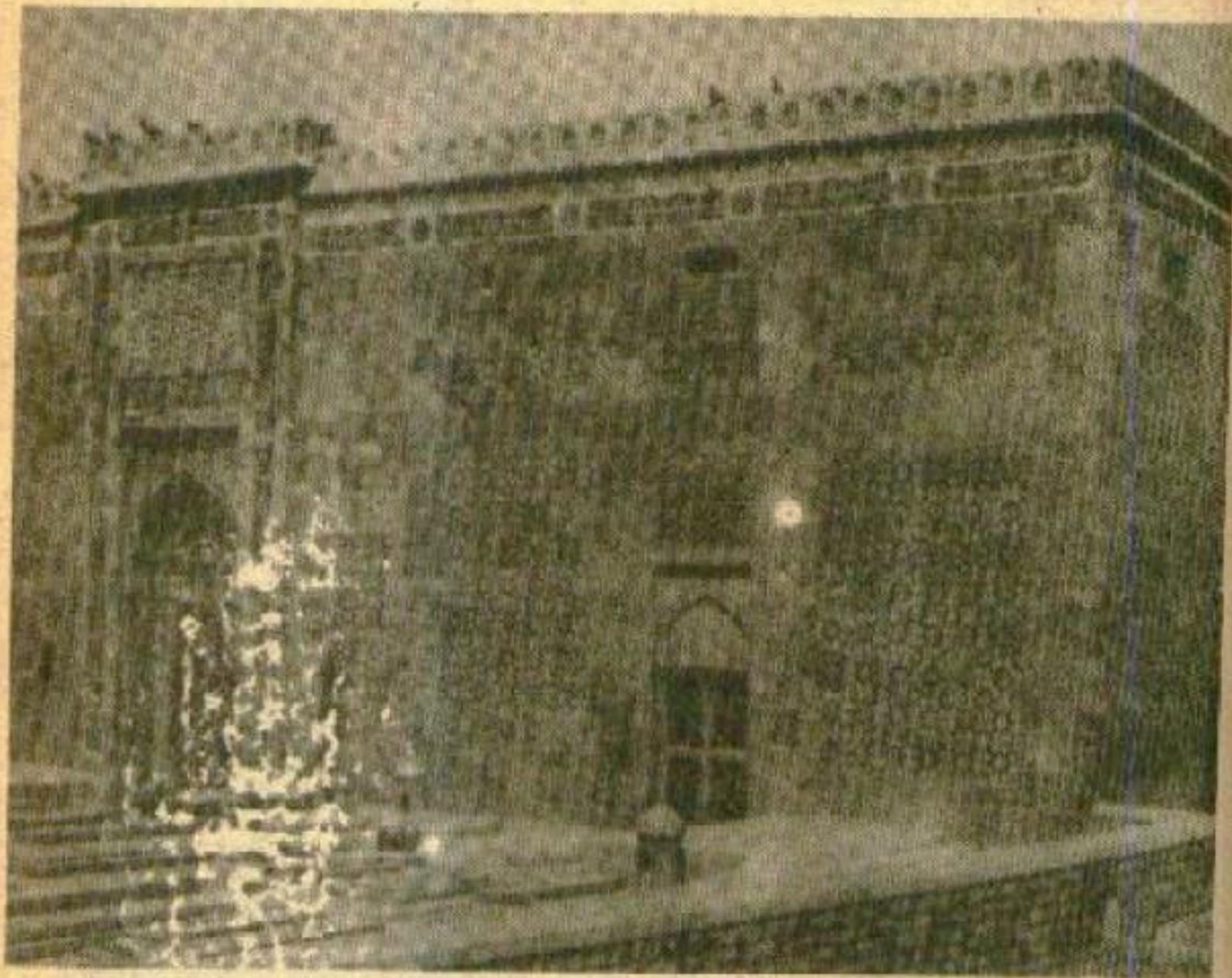
عیدگاہ (جہاں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی خطابت فرماتے ہیں) نواب عبدالصمد خان نے تعمیر کرائی تھی۔ ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کی ذلت شکست کے بعد احمد شاہ ابدالی کی حکومت یہاں قائم ہو گئی۔

۱۸۱۸ء میں سکھوں نے ملتان کا قلعہ فتح کر لیا۔ ملتان کا آخری صوبیدار نواب مظفر خان ایک مجاہد و جری مسلمان کی طرح ۸۰ سال کی عمر میں اپنے پانچ بیٹوں سمیت سکھوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ سکھ ملتان پر ۳۰ سال تک قابض رہے۔ ان کا سب سے مشہور ناظم ساون مل تھا۔ ۱۸۴۴ء میں پنجاب کا علاقہ انگریزوں کی عملداری میں شامل ہو گیا اور مول راج حاکم ملتان مقرر ہوا۔ جنوری ۱۸۴۹ء میں مشہور خونی برج پر یونین جیک نصب ہوا۔ اور دیوان مول راج نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت خداداد کا قیام عمل میں آیا۔ اور یونین جیک کی جگہ قلعہ ملتان پر پاکستان کا مقدس پرچم لہرانے لگا۔

مزار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

اہل سنّت کے مشہور دینی ادارے

۱۔۔۔۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان۔

۲۔۔۔۔ مدرسہ رضویہ انوار الابرار دہلی گیٹ ملتان۔ مہتمم۔ حضرت علامہ سید عبد اللہ شاہ رضوی

۳۔۔۔۔ مدرسہ عربیہ مظہر العلوم دولت گیٹ ملتان۔ مہتمم۔ حضرت علامہ محمد شریف رضوی شیخ الحدیث

۴ــــــ مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد، چوڑی سرائے ملتان۔ مہتمم۔ حضرت مولانا حامد علی خان۔

۵ــــــ مدرسہ رضویہ انوار القرآن اندرون بوہڑ گیٹ ملتان۔ مہتمم حضرت علامہ غلام رسول نوری رضوی۔

۶ــــــ مدرسہ غوثیہ ہدایت القرآن نوری جامع مسجد ممتاز آباد ملتان۔ مہتمم حضرت مفتی محمد ہدایت اللہ پسروری۔

۷ــــــ مدرسہ رحمت العلوم شمس آباد کالونی ملتان۔ مہتمم حضرت علامہ مشتاق احمد چشتی

۸ــــــ مدرسہ رومیہ شاہی مسجد طوطلاں ملتان۔ مہتمم حضرت مولانا فیض رسول ملتان۔

۹ــــــ مدرسہ تعلیمات صوفیہ دولت گیٹ ملتان، مہتمم حضرت علامہ رشید احمد چشتی۔

۱۰ــــــ اس کے علاوہ مدرسہ انجمن القرآن، مدرسہ سلطان المدارس، مدرسہ جمال العلوم جامعہ رضویہ مظفر آباد اور دیگر مدارس بھی ہیں۔ جہاں سے ہر سال سینکڑوں کی تعداد علماء۔ حفاظ اور قاری فارغ التحصیل ہو کر ملک بھر میں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

مشہور تعلیمی ادارے

۱۔ نشتر میڈیکل کالج ملتان

ایشیاء کا بہترین میڈیکل کالج اور ہسپتال ہے۔ یہ ۱۹۵۱ء میں قائم ہوا۔ اس کا سنگ بنیاد سردار عبد الرب نشتر نے رکھا۔ اس کالج سے ہزاروں طلباء اور طالبات ڈاکٹر بن کر ملک و قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس کے بانیوں میں ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ۔ آئی۔ یو خان اور کرنل ملک نمایاں ہیں۔ کالج کے موجودہ پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد حیات ظفر ہیں (راقم الحروف محمد صدیق خان قادری بھی اس کالج کا طالب علم ہے۔)

۲۔ ملتان یونیورسٹی ملتان

ملتان میں یہ یونیورسٹی گذشتہ ۲۴ سال سے قائم ہے۔ اس کی عمارت زیر تعمیر ہے۔ اس کے پہلے وائس چانسلر ڈاکٹر خیرات محمد ابن رسا تھے۔ موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد الطاف علی قریشی ہیں۔

۳۔ گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان۔
۴۔ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان۔
۵۔ گورنمنٹ کالج آف سائنس۔ ملتان۔
۶۔ گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان۔ (۷) گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان
۸۔ گورنمنٹ سول لائنز کالج ملتان۔ (۹) گورنمنٹ ملت کالج ملتان (۱۰) گورنمنٹ گرلز کالج ملتان۔

اس کے علاوہ متعدد ہائی، مڈل اور پرائمری سکولز بھی ہیں۔ اس کے علاوہ میونسپل کارپوریشن کے سکول بھی ہیں۔

اخبارات و جرائد

(۱) روزنامہ امروز ملتان (۲) روزنامہ نوائے وقت ملتان (۳) روزنامہ آفتاب ملتان (۴) روزنامہ سنگ میل ملتان (۵) روزنامہ نوائے ملتان (۶) روزنامہ اعلان ملتان (۷) ہفت روزہ بزنس ٹائمز (۸) ہفت روزہ آذان ملتان (۹) زینہ ارسلام (۱۰) ماہنامہ نظام الدین۔

ممتاز علماء

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی۔ حضرت مولانا حامد علی خاں، حضرت پیر ولی محمد شاہ نقشبندی مجددی۔ حضرت مولانا سید محمد عبداللہ شاہ رضوی۔ حضرت مولانا محمد شریف شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا مفتی ھدایت اللہ پسروری۔ حضرت مولانا غلام رسول نوری رضوی حضرت مولانا مشتاق احمد چشتی۔ حضرت مفتی غلام مصطفےٰ رضوی۔ حضرت مولانا فیض رسول نظامی۔ حضرت مولانا حفیظ اللہ نقشبندی۔ حضرت مولانا خدا بخش اظہر۔ حضرت مولانا ممتاز احمد چشتی حضرت مولانا ضیاء الحامدی۔ حضرت مولانا فیض محمد۔ حضرت مولانا غلام ربانی۔

اہل سنت کی مشہور سیاسی، دینی و مذہبی تنظیمیں

جمیعت علمائے پاکستان ملتان۔ جماعت اہلسنت ملتان۔
انٹرنیشنل اسلامک مشن پاکستان، ملتان۔
سیرت کمیٹی ملتان۔ میلاد کمیٹی ملتان

ادارہ تبلیغ اہلسنت پاکستان ملتان۔ انجمن محبان اولیاء ملتان۔ انجمن غلامانِ صحابہؓ ملتان۔ انجمن محبان رسول ملتان۔ بزم خلفائے راشدین ملتان۔ انجمن فدایان رسول ملتان۔ بزم طریقت ملتان۔ بزم رضا ملتان۔

طلباء تنظیمیں

انجمن طلبائے اسلام پاکستان ملتان۔ انجمن نوجوانانِ اہلسنت ملتان۔ بزم سعید مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان۔

ملتان۔ دینی و سیاسی تحریکات کا مرکز

۱۔ ملتان کے عوام کا سیاسی شعور پورے پاکستان میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تحریک آزادی میں باغیانہ تقریریں کرنے کے جرم میں انگریز حکومت کی طرف سے کئی افراد کو قید اور جرمانہ کی سزائیں ہوئیں۔ تحریک خلافت میں یہاں حضرت مولانا عبدالماجد بدایونیؒ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونیؒ اور دیگر زعمائے ملت تشریف لائے۔ اسی طرح تحریک پاکستان میں یہاں کے عوام نے دوسرے علاقوں کی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ملتان کے مشائخ اور علمائے اہل سنت نے تحریک پاکستان میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

۲۔ ملتان کو اس لئے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ یہاں ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں اہلسنت کی نمائندہ تنظیم مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے مرکزی صدر حضرت علامہ سید ابوالحسنات قادری اور ناظم اعلیٰ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی مقرر ہوئے۔ مدرسہ انوار العلوم کے مفتی سید مسعود علی قادری مرحوم کراچی جانے سے پیشتر جمعیت علمائے پاکستان ملتان ڈویژن کے صدر کی حیثیت سے کافی عرصہ تک کام کرتے رہے۔

۳۔ اس شہر نے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت علامہ کاظمی اور دیگر علمائے اہلسنت نے کافی عرصہ جیل میں گذارا۔

تحریک بحالی جمہوریت ۱۹۶۹ء میں مثالی کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں مفتی سید مسعود علی قادری مرحوم۔ مولانا سید عبداللہ شاہ رضوی، شیخ الحدیث مولانا محمد شریف رضوی

مفتی ہدایت اللہ پسروری۔ مولانا ضیاء الحامدی اور مفتی غلام مصطفےٰ رضوی کے نام نمایاں ہیں (۴) تحریک ختم نبوت ۱۹۷۳ء میں ملتان کے گلی کوچے قادیانیوں کے خلاف بائیکاٹ کا عظیم مظہر بن گئے۔ یہاں پر یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ یہ تحریک نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر قادیانیوں کے ظلم و تشدد کے خلاف بطور احتجاج چلائی گئی۔ اس تحریک میں ملتان سب سے فہرست رہا۔ اس تحریک میں متعدد علماء و خطبائے اہلسنت نے قید و بند کی مشکلات برداشت کیں۔ اس تحریک میں راقم الحروف پر مختلف جلسوں میں قابل اعتراض تقاریر کی بنا پر متعدد مقدمات قائم کیے گئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کے طفیل استقامت عطا فرمائی۔

(۵) تحریک جمہوریت (سول نافرمانی) میں ملتان سرفہرست رہا۔ جب مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے گرفتاریاں پیش کرنے کا وقت آیا تو جمعیت علمائے پاکستان کے کارکن پیش پیش رہے۔ جمعیت کے دو مقامی رہنماؤں سید دبیر علی شاہ اور انعام الٰہی قریشی کے ساتھ جیل میں جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ اس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا ہے۔

(۶) بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں شیخ الحدیث مولانا محمد شریف کو گرفتار بھی کیا گیا۔

تحریک نظام مصطفےٰ اور بھٹو شاہی کے خاتمہ کے لیے عظیم جلسہ و جلوس اور ہڑتالیں ہوئیں۔ اس تحریک میں حضرت علامہ کاظمی۔ حضرت مولانا حامد علی خان شیخ الحدیث مولانا محمد شریف۔ محمد حنیف رحمانی۔ مولانا مفتی ہدایت اللہ پسروری کی شخصیات سب سے نمایاں رہیں۔

اس تحریک میں مولانا حامد علی خاں۔ مفتی ہدایت اللہ کے علاوہ جمعیت کے سینکڑوں کارکن گرفتار بھی رہے۔ اس تحریک میں ملتان کے متعدد افراد شہید ہوئے۔ ان کے خون سے تحریک کامیاب و کامران ہوئی۔ علماء، وکلاء، طالب علموں، مزدوروں اور شہر کے کاروباری حضرات کے عظیم جلوسوں کی وجہ سے ملتان ملک بھر میں نمایاں رہا۔ اس تحریک میں انتظامیہ بالکل بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ جمعیت کے مرکزی نائب صدر مولانا حامد علی خاں تحریک کے دنوں میں ملتان کے حاکم و مختار تھے۔ اسی بنا پر انہیں ملتان کا "بے تاج بادشاہ" کہا جانے لگا۔

امام اہل سنت کا مرکزی تعارف

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی

جماعت اہل سنت پاکستان کی مرکزی ایڈہاک کمیٹی کے سربراہ اور سنی کانفرنس کے ناظم

غزالئ دوران حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دورِ حاضر کے جید عالم ہیں۔ علوم اسلامیہ
ن آپ کو گہری بصیرت حاصل ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم حدیث کی خدمت میں
گذارا ہے۔ اور مختلف موضوعات پر علمی اور تحقیقی تصانیف سپردِ قلم فرمائیں۔

آپ ۱۹۱۳ء میں مرادآباد کے مضافاتی شہر امروہہ میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا نام
سید محمد مختار احمد کاظمی تھا۔ بچپن ہی میں والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت
آپ کے برادر محترم سید خلیل کاظمیؒ زیر نگرانی ہوئی۔

آپ ۱۹۳۵ء کے اوائل میں ملتان تشریف لائے۔ اور ملتان کے احباب کی خواہش
پر شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء مدرسہ انوار العلوم کو ملتان کی عظیم مرکزی درسگاہ
ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

حضرت علامہ کاظمی نے تحریک پاکستان میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان
کے لئے عظیم الشان اجتماعات سے خطاب کیا آپ نے ۱۹۴۶ء میں قرار دادِ پاکستان کی توثیق کے
لئے بنارس کی آل انڈیا سُنّی کانفرنس میں شرکت کی۔ علامہ کاظمی نے حضرت پیر سید جماعت علی
شاہ علی پوریؒ۔ حضرت علامہ سید ابوالحسنات قادری۔ حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی
صاحب۔ حضرت مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونیؒ۔ حضرت مولانا عبدالغفور ہزارویؒ۔
حضرت علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری اور دیگر اکابر علماء کی رفاقت میں رات دن دو قومی
نظریے کے لئے مسلسل جدوجہد کی۔ جمعیت علمائے پاکستان کے قیام میں آپ نے مرکزی کردار
ادا کیا اور ملک کی اس عظیم جماعت کی تشکیل کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ
ملک بھر کے علماء اور مشائخ مشترکہ تنظیم میں منسلک ہو کر ملک و قوم کی فلاح کے لئے کام کریں۔
آپ نے اس سلسلے میں حضرت علامہ سید ابوالحسنات قادری سے رابطہ قائم کرنے کے بعد
مارچ ۱۹۴۸ء میں ملتان میں ایک اجلاس منعقد کیا۔ جس میں خصوصاً علامہ ابوالحسنات قادریؒ
لاہور۔ مولانا ناصر جلالی کراچی۔ علامہ عبدالغفور ہزارویؒ۔ مولانا غلام جہانیاںؒ ڈیرہ غازیخان
اور مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹ نے شرکت کی۔ اور علماء کی اس مشترکہ تنظیم کا نام جمعیت
علمائے پاکستان تجویز کیا گیا۔ حضرت علامہ سید ابوالحسنات قادریؒ پہلے صدر اور حضرت علامہ
کاظمی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ علامہ کاظمی نے جمعیت کے دائرہ کار کو وسیع کرنے اور اسے مستحکم
کرنے کے لئے شب و روز محنت کی۔ آپ نے جمعیت کے پلیٹ فارم سے جہاد کشمیر۔ دستور
سازی۔ تحریک ختم نبوت تبلیغ اسلام۔ اشاعت دین اور سیلاب زدگان کی امداد و اعانت

وغیرہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور اس طرح ہر مقام پر جمعیت کو سربلند رکھا۔

تحریک نظام مصطفےٰ میں ملتان کے علمائے اہل سنت نے حصہ لیا۔ لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ کہ علامہ کاظمی نے اس مقدس تحریک میں جس طرح روح پھونکی اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے ایک طرف اخباری بیانات اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے قوم کو تحریک نظام مصطفےٰ کی عظمتوں اور برکتوں سے آگاہ کیا اور دوسری طرف اپنی پیرانہ سالی کے باوجود کئی جلسوں سے خطاب کیا۔ اور اپنی تقاریر سے عوام میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا

حضرت علامہ کاظمی نے ایک خصوصی پیغام میں نمائندہ ترجمان اہلسنت سے فرمایا کہ ملتان میں منعقد ہونے والی یہ سنی کانفرنس ثابت کر دے گی کہ اہل سنت ملک کا سواد اعظم ہیں انہوں نے کہا کہ اہل سنت کو ایک بار پھر اپنا تاریخی کردار ادا کرنا ہوگا جو انہوں نے ۱۹۴۶ء میں بنارس سنی کانفرنس اور ۱۹۷۰ء میں دار السلام سنی کانفرنس میں ادا کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کانفرنس ان شاء اللہ نظام مصطفےٰ کے نفاذ میں سنگ میل ثابت ہوگی۔ آپ نے سنی عوام سے اپیل کی کہ وہ کل پاکستان سنی کانفرنس کو کامیاب کرنے کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں۔ انہوں نے پاکستان کے مختلف حصوں سے آنے والے حضرات سے کہا ہے کہ وہ تنظیم کے ساتھ ملتان آئیں۔ ہر شہر اور قصبے کے تمام کارکن اپنا اپنا امیر منتخب کریں ملتان پہنچ کر امیر دفتر معلومات سے رابطہ قائم کر کے اپنے رفقاء کی تعداد درج کرائیں۔ انہوں نے خاص طور پر نظم و ضبط برقرار رکھنے اور محبت و خلوص کا بھرپور مظاہرہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ تاکہ ملتان امن و آشتی کا گہوارہ بن کر اہل سنت کی اجتماعی تنظیمی اور تبلیغی قوتوں کا عظیم مرکز نظر آئے۔ حضرت علامہ کاظمی نمائندہ ترجمان کی اس ملاقات کے وقت مفتی ہدایت اللہ پسروری۔ مفتی غلام مصطفےٰ رضوی۔ مولانا حفیظ اللہ نقشبندی۔ صاحبزادہ محمد اقبال اظہری اور حافظ محمد فاروق خان سعیدی بھی علامہ کاظمی کی خدمت میں حاضر تھے۔

ملک کی تقسیم کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں علماء اہلسنت کا ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام بدل کر جمعیت علماء پاکستان رکھا گیا اور حضرت علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد سابق صدر پنجاب سنی کانفرنس کو مرکزی جمعیت علماء پاکستان کا مرکزی صدر اور حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء پاکستان منتخب کیا گیا اس طرح پاکستان میں سنی کانفرنس کی تنظیم جمعیت علماء پاکستان کے نام سے موسوم ہو گئی اور آل انڈیا سنی کانفرنس سے وابستہ پاکستان کے علماء کرام اس میں شامل ہو گئے۔

محمد صادق قصوری

مراد آباد سنّی کانفرنس کی داستان

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے کی ابتدا میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو مرتد بنانے اور قتل کرنے کے لئے شدھی کی تحریک کا آغاز کیا۔ اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ہو کر اپنی سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میدان عمل میں اتر آئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسی درسگاہیں اور ٹریننگ سنٹر کھولنے شروع کر دئے جس میں نوعمر ہندوؤں کو اسلام کے خلاف نفرت کا درس دیا جانے لگا اور فنون حرب سے آگاہ کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوؤں نے جبہ و دستار پوش حضرات کے ایک گروپ کو طمع و لالچ دے کر اپنی لنگوٹی کا اسیر بنا لیا اور یہ لوگ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کو کفر و شرک کے فتوؤں سے نوازنے لگے۔

ہندوؤں نے جب محسوس کیا کہ انہوں نے اپنی جڑیں کسی حد تک مضبوط کر لی ہیں اور جبہ و دستار پوش حضرات جن کی زبانوں سے قال اللہ قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی تھیں لیکن دل رام رام اور واہگرو کرتے تھے، ان کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں تاکہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا کر خالص ہندوازم کا معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

ہندوؤں کے اس ناپاک منصوبے کو ناکام بنانے کے لئے ہمارے علماء و مشائخ دیوانہ وار میدان میں کود پڑے اور اس خبیث اور شیطانی سکیم کو ملیامیٹ کر دیا۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مبلغ اسلام حضرت شاہ عبدالعلیم میرٹھی، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفےٰ رضا خاں، تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری، حضرت میر غلام بھیک نیرنگ انبالوی قدس اسرارہم اور ان کے متبعین نے اس سلسلے میں عدیم النظیر کارنامے سرانجام دیئے۔ ان حضرات نے مختلف طریقوں سے اس فتنہ کو کچلنے کے لئے اپنے آپ کو بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالا۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ کی قائم کردہ انجمن خدام الصوفیہ نے جو تاریخ ساز کردار ادا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے طوفانی دورے کئے۔

سینکڑوں مبلغ میدان ارتداد میں بھیجے کئی مدرسے قائم کئے اور اپنی جیب خاص سے بے شمار روپیہ صرف کر کے اسلام اور قوم کی لاج رکھ لی اس سلسلہ میں آگرہ میں آپ کا ہیڈ کوارٹر عرصہ دراز تک رہا۔

لیکن ہندو اپنی سرشت سے مجبور ہو کر آئے دن نت نئی سکیمیں بناتا رہا تاکہ برصغیر سے مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ ان حالات میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اگر ہم نے منظم ہو کر جد و جہد نہ کی تو چند سال بعد ہندوؤں کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے برصغیر کے ہر ایک سنی عالم کو جھنجھوڑا اور مہیب خطرات سے آگاہ کیا کہ اگر تم اب بھی ہوش میں نہ آئے اور اپنی تنظیم نہ کی تو پھر جو انجام ہونا ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ نے ملک کے تمام اعاظم و اکابر اہلسنت علماء و مشائخ کو مراد آباد مدعو کیا۔

آپ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ملک کے کونے کونے سے حضرات علماء و مشائخ مراد آباد پہنچے اور ۱۷، ۱۸، ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو ایک عظیم الشان اور فقید المثال اجتماع بڑی کامیابی اور کامرانی سے منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں بڑے غور و خوض کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی اور اتفاق رائے سے حضرت امیر ملت محدث علی پوری قدس سرہ کو صدر اور حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

اس کانفرنس کے متعلق بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں قومی قوت سے اس درجہ شاندار اجتماع کی مثال نہیں مل سکتی، وہ حضرات جن کے سامنے ہندوستان کا مشرق و مغرب ہے اور جنہوں نے ایسے ایسے جلسے دیکھے ہیں، جن کا تذکرہ بھی ہم لوگوں کو عجیب معلوم ہوتا تھا ان کا بیان ہے کہ اس قدر منظم، باقاعدہ اور پر شوکت جلسہ کبھی نظر سے نہیں گذرا اور نہ شرکت سے پہلے گمان تھا کہ کانفرنس کا افتتاح اس شان و شوکت سے ہوگا۔

اس کانفرنس کی سب سے پہلی چیز جو ہر کسی کو متاثر کرتی تھی وہ رضا کاروں کی جمعیت تھی جن کی تعداد کئی سو تھی، یہ لوگ باقاعدہ وردیاں پہنے ہوئے نہایت صبر و سکوت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے تھے۔ کانفرنس کی تاریخوں میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں رضا کاروں کی راحت کا انتظام ہو۔ اسٹیشن پر گاڑی کے وقت ان کی کافی جمعیت کا پہنچنا ضروری تھا۔ ہر خیمہ پر دو رضا کار متعین تھے جو راتدن مہمان نوازی کا فرض ادنیٰ درجے کے خادموں کی طرح کرتے تھے اور رات بھر ہر خیمہ کی نگرانی دو رضا کاروں کے سپرد تھی۔ رضا کاروں کے انتخاب میں غالباً اس کا زیادہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ وہ پست آواز ہوں اور معمولی اشاروں سے وہ زیادہ کام لے سکتے ہوں، چنانچہ سینکڑوں کی جماعت موجود تھی۔ اور ہر کام باقاعدہ جاری تھا مگر خیمہ کے اندر بیٹھنے والا کبھی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس میدان میں

اس خیمہ کے سوا بھی کوئی آبادی ہے۔ بعض حضرات بے ساختہ کہہ اٹھے تھے کہ اس ملکوتی انتظام کو کیا کہا جاسکتا ہے کہ چار دن تک زمین پر نہ کتا نظر آیا اور نہ کوئی پرندہ۔ خیمہ سے باہر نکلو تو ایک میلہ ہے لیکن اس قدر ساکت کہ گویا ہر ایک مراقب ہے اور ادائے فرض میں مشغول ہے کیا اس پر تعجب نہیں کیا جائے گا کہ جب باورچی خانہ میں دو وقت ہزاروں افراد کے لئے کھانا پکتا ہو۔ اس سے دیگ کے شور کرنے کی بھی صدا نہیں نکلتی اور نہ زمین پر کیچڑ نظر آتا ہے۔ یہ رضا کار، مہمانوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والے وہ لوگ تھے جن میں بعض فارغ التحصیل مولوی اور بعض درجۂ تکمیل کے طلبہ اور بعض روساءِ شہر کے نونہال فرزند وغیرہ وغیرہ۔ یہ انہی رضا کاروں کا کام تھا کہ بغیر کسی شور و غل کے بیک وقت ہر خیمہ میں روزانہ تین وقت کھانا پہنچا دیتے تھے اور بیک وقت مہمان کھانے پینے سے فارغ ہوتے تھے۔

کانفرنس میں دوسرا نظارہ مہمانوں کا تھا جن میں چھ سو کے قریب صرف علماء کرام و واعظان اسلام و مفتیان ذوی الاحترام کا اجتماع تھا اور سندھ سے لے کر ہند کے تمام صوبوں کے مقتدر حضرات تشریف لائے تھے۔ بریلی، دہلی، رامپور، مراد آباد، علی پور سیداں اور کچھوچھہ شریف وغیرہ جیسے مرکزی علمی مقامات کے اکابر سب موجود تھے جن کی زیارت سے ہر شخص مشرف ہو رہا تھا۔ اور انہی مہمانوں میں دو مبارک ہستیاں تھیں جن کی نیاز مندی و غلامی پر لاکھوں مسلمانوں کو ناز ہے اور جن کی شرکت نے کانفرنس کو غیبی تائید سے مؤید کر دیا تھا۔ میرا اشارہ سنوسیٔ ہند امیر ملت حضرت بابرکت قدسی منزلت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور اعلیحضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی (قدس اسرارہم) کی طرف ہے۔ ان حضرات کی موجودگی نے کانفرنس کے مقاصد کو جو نفع پہنچایا وہ تو پہنچایا لیکن سب سے روشن برکت کا مظاہرہ روزانہ اس امر کا ہوتا تھا کہ دونوں بزرگوں کے خیموں سے ذکر الٰہی کی پر درد صدائیں آتی تھیں جن سے نقشبندیت کا سرور قلوب میں منقش ہوتا تھا اور قادریت و چشتیت کا اقتدار و ذوق دل میں اثر انداز ہوتا تھا۔ خیمۂ مہماناں میں جماعت رضائے مصطفیٰ کا خیمہ بھی شوکت رکھتا تھا اور اس کا بلند پھریرا اُولوا ذکر مسلمانوں کو تبلیغ کی دعوت۔ غرض یہی ایک کانفرنس تھی جس میں اہل سنت و جماعت کے اکابر علماء اس تعداد میں تھے جس کی کوئی مثال سابق نہیں۔

کانفرنس گاہ کا شمالی حصہ خیموں سے آباد تھا اور جنوبی حصہ کانفرنس کے اجلاس کے لئے مخصوص تھا اور مغربی جانب سڑک تھی جن کے کنارے کنارے باورچی خانہ، انکوائری آفس، بستی کانفرنس پوسٹ آفس اور انجمن انصار الاسلام کے دفتر کا سلسلہ تھا۔ اس کے بعد دو رویہ کھانے اور چاء وغیرہ کی باقاعدہ دکانیں تھیں۔ اجلاس کا جو پنڈال تھا اس میں چالیس پچاس ہزار افراد کی گنجائش تھی اور عورتوں کے لئے پردہ کا کافی انتظام تھا۔ علماء کرام کی نشست کے لئے ممتاز جگہ بنائی گئی تھی اور وہ

اس قدر وسیع تھی کہ اس پر چھ سات سو حضرات بآرام تشریف فرما ہو سکیں جضرات علماء کی نشست اس قدر تھی کہ اکثر بڑے جلوسوں میں جو تمام حاضرینِ جلسہ کے لئے کافی ہوتی ہے اور بعونہ تعالیٰ وہ تمام جگہ بالکل پُر رہتی تھی اور حاضرین سے پنڈال بھرا ہوا نظر آتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ عورتوں کا شمار کئی ہزار تک پہنچتا ہے۔

پہلے دن بعد نماز عشاء افتتاحی اجلاس کا اعلان ہو چکا تھا چنانچہ لوگ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ بہت پہلے سے ہی جمع ہونے لگے تاکہ علماء کرام کے نزدیک جگہ بآسانی پاسکیں اور بعد نماز عشاء سارا پنڈال حاضرین پر تنگ ہو گیا۔ نماز عشاء کے بعد تمام ڈیلیگیٹ اور حضرات علمائے کرام مقام جلسہ میں تشریف لے آئے۔ اجلاس کی کارروائی تلاوتِ قرآن پاک وحمد و نعت سے شروع ہوئی اور پھر حضرت امیر ملت قدس سرہ صدر آل انڈیا سنی کانفرنس نے پرزور تحریک کی کہ اس نشست کی صدارت حضرت اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ فرمائیں جو اس کانفرنس کے لئے نیک فال ہوگا حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نور اللہ مرقدہ نے اس کی تائید فرمائی اس موقع پر حضرت شیخ المشائخ نے جو کلمات طیبات بطور خطبہ صدارت ارشاد فرمائے وہ الخطبۃ الاشرفیہ کے عنوان سے طبع کرواکر کانفرنس میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی صدر مجلس استقبالیہ نے اپنا استقبالی خطبۂ صدارت شروع کیا۔ اور اس اجلاس کے آخر تک ختم فرمایا۔

یہ خطبہ صدارت اپنی نوعیت کا ایسا جامع خطبہ تھا جو حضرت خطیب کے شایان شان تھا، ہندوستانی سیاست، اغیار کی پالیسیاں تدابیر دفاع، نظام عمل وغیرہ کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کو شرعی نقطۂ نگاہ سے آئینہ نہ فرما دیا ہو۔ اس خطبہ کو پڑھنے کے بعد آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے مقاصد عالیہ پر پوری روشنی پڑتی ہے اور وہ ساری تجاویز پیش نظر آجاتی ہیں جو کانفرنس میں بالاتفاق رائے طے پائیں، یہ خطبہ بھی اجلاس میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا اجلاس ان دو خطبوں پر ختم ہو گیا۔

اس کے بعد روزانہ ۱۹ مارچ تک دو وقتہ شاندار اجلاس ہوتے رہے جن میں حضرت محدث علی پوری، حضرت سید ابو المحمود احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری حضرت مولانا معوان حسین رامپوری، حضرت مولانا محمد یعقوب حسین اعجاز بلاسپوری، حضرت مولانا عبد المجید آنولوی، مولانا مفتی عبد الحفیظ آنولوی ودیگر بہت سے بزرگوں نے اپنے ارشاد عالیہ سے حاضرین کو مستفیض ومستفید فرمایا۔

حضرت امیر ملت محدث علی پوری قدس سرہ، نے اس موقع پر جو فی البدیہہ خطبۂ صدارت ارشاد

فرمایا وہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے۔ لفظ لفظ سے عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ نے اس خطبہ میں مذہب اسلام کی حقانیت، حالات حاضرہ، فتنۂ ارتداد، اتفاق و اتحاد، اصلاح معاشرہ، دنیاوی تعلیم، رسوم بد، اخوت و یگانگت اور سُنّی کانفرنس کے اغراض و مقاصد کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا۔ یہ نادر خطبہ ۱۸×۲۲ کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ شائقین حضرات سیرتِ امیرِ ملت اور ملفوظاتِ امیرِ ملت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس کانفرنس کی سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ حضرت امیرِ ملت محدث علی پوری قدس سرہ کی سادگی اور صاف گوئی کی یاد ہمیشہ مسلمانوں کو یاد رہے گی جس میں تاثیر فی النفوس نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ غرض ہر اجلاس تلاوت۔ حمد و نعت سے شروع ہوتا اور درود و سلام پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ یہ کانفرنس ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ بہ اقتضائے وقت تجاویز منظور ہوئیں۔ اہل سنت و جماعت کے لئے کام کی راہیں کھل گئیں۔ منزل کا تعین ہوگیا اور قافلہ منزل کی طرف توکل بر خدا رواں دواں نظر آنے لگا۔ ہر سنی اپنے اپنے مقام اور ماحول میں پرجوش نظر آنے لگا۔

اس کانفرنس میں عہدیداروں کے انتخاب اور دوسرے امور کے علاوہ جو قرار دادیں پاس ہوئیں ان کا خلاصہ اور اجمالی نقشہ یہ ہے جس کو حضرت مولانا مولوی شاہ احمد مختار میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جلسۂ عام میں سنایا تھا۔

(۱) یہ جلسہ مناسب سمجھتا ہے کہ ملک کے ہر صوبہ ہر شہر اور ہر گاؤں میں اہلسنت و جماعت کی انجمنیں اور تبلیغی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

(۲) اس جلسہ کی رائے میں جا بجا تعلیم و تبلیغ کے مدارس جاری کئے جائیں۔

(۳) اس جلسہ کے خیال میں سر دست مراد آباد میں مرکزی کمیٹی کا قائم رہنا ضروری ہے۔

(۴) یہ جلسۂ عام اس قانون پر جو اسمبلی نے حج کے متعلق پاس کیا ہے۔ ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے حاجیوں سے دونوں طرف کا کرایہ پہلے ہی وصول کر لینے کو حج کے لئے سنگ راہ خیال کرتا ہے۔

(۵) یہ اجلاس عام بادشاہ دولت خداداد افغانستان حضرت امیر امان اللہ خاں خلد اللہ ملکہ کے قتل مرتدین کو عین مطابق شرع مبین پاتا ہے اور اجرائے حدود شرعیہ پر ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہے جن اخباروں نے اس کے خلاف آواز بلند کی وہ بالیقین دین متین سے جاہل و بے خبر ہیں۔ ان کی اس خلاف شرع آواز پر سخت نفرت و حقارت کا اظہار کرتا ہے۔

(۶) یہ اجلاس عام جو سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا قائم مقام اور ہر حصۂ ملک کے علمائے اہلسنت و جماعت پر مشتمل ہے۔ مرزائیوں کی صدائے احتجاج کی بناء پر لیگ آف نیشنز اور گورنمنٹ

آف انڈیا کو توجہ دلاتا ہے کہ حکومتِ افغانستان کا اہلاکِ قادیانیاں مذہبی مسئلہ ہے اس میں کسی حکومت کی مخالفانہ آواز صریح مذہبی مداخلت ہوگی جس کو مسلمان کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا لیگ اور گورنمنٹ کو اس مسئلہ میں ہرگز دخل نہ دینا چاہیے۔

اس قسم کے بہت سے ریزولیشن پاس ہوئے جن میں سب سے اہم وہ تجویز تھی جس میں ابن سعود نجدی کے غاصبانہ قبضۂ حجاز اور ظالمانہ حرکات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے اور سنی مسلمانوں کو امسال سفرِ حج سے بخوفِ بے امنی روکا گیا ہے۔ نیز ایک ریزولیشن میں پریذیڈنٹ بلگام کانگرس کے ان موذی اور اشتعال انگیز کلمات پر اظہار نفرت کیا گیا ہے جو اس نے مرزائیوں کی تائید کی آڑ میں اسلام و قرنِ اول کے بارے میں استعمال کیا۔ جن سے سات کروڑ مسلمانوں کو صدمہ پہنچا۔

مآخذ

(۱) سیرتِ امیر ملت از سید اختر حسین علی پوری

(۲) حیاتِ صدر الافاضل از حکیم سید غلام معین الدین نعیمی۔

(۳) ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ شریف بابت ماہ مئی ۱۹۲۵ء

(۴) اکابر تحریک پاکستان از محمد صادق قصوری۔

(۵) برگ گل، مجلہ اردو کالج کراچی، قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء

(۶) تذکرہ شہ جماعت از سید حیدر حسین علی پوری۔

(۷) انوارِ امیر ملت از محمد صادق قصوری (زیرِ طبع)

جناب محمد عثمان خان نوری ناظم اعلیٰ انجمن طلباء اسلام (پاکستان)۔

میں ملک کے ان تمام طلباء اور نوجوانوں سے جن کے دل عشق مصطفےٰ سے منور ہیں اپیل کرتا ہوں کہ وہ سنی کانفرنس ملتان میں شریک ہو کر حقوق اہلسنت کے تحفظ کی جدوجہد میں ہراول دستے کا کردار انجام دیں ..... انجمن طلباء اسلام کے ہر رکن اور کارکن کو اس کانفرنس میں نہ صرف شریک ہونا چاہیے بلکہ عملی کوششوں سے اس کانفرنس کو کامیاب بنانا چاہیے۔

بھولی بسری یادیں

از قلم
مولانا محمد اطہر نعیمی
خطیب آرام باغ مسجد، کراچی

استاذ محترم صدر الافاضل بدر الاماثل استاذ العلماء مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہٗ نے والد محترم تاج العلماء مولانا الحاج مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہٗ کو ان کے دورِ طالب علمی جب وہ نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے، اِنَّ و اَنَّ کی تحقیق میں ایک رسالہ تحریر فرما کر عطا فرمایا تھا اور اس کے آخر میں یہ شعر لکھا تھا ؎

یلوح الخط فی القرطاس دھراً ✧ وکاتبہٗ رمیم فی التراب

یہ رسالہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے لیکن اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوں کہ میں استاذی قدس سرہٗ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا اور زبانی جمع خرچ پر زندگی کے ایام گذار رہا ہوں، درج ذیل سطور عزیزی مولوی عبدالنعیم ہزاروی سلمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش ہی نہیں بلکہ پیہم اصرار کے بعد ان کی حوصلہ افزائی کے طور پر لکھ رہا ہوں، اگر واقعات اور ناموں میں کوئی تسامح نظر آئے تو اسے میرے سہو خطا پر محمول فرما کر صرفِ نظر فرمائیں۔

غالباً اپریل ۱۹۴۶ء کے ابتدائی ایام تھے، صدر الافاضل قدس سرہٗ بنارس سے مراد آباد تشریف لائے ہوئے تھے، اس دوران حضرات رحمۃ اللہ علیہ کے آل انڈیا سنی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں بنارس کے کئی سفر ہوئے تھے اس واقعہ سے چند روز پہلے جب بنارس تشریف لے گئے تھے، تو عزیزی مولوی غلام معین الدین نعیمی مرحوم مغفور (مترجم مدارج النبوۃ) اور مولانا ندیر الاکرم صاحب ہمراہ گئے تھے اور حضرت قدس سرہٗ ان دونوں کو بنارس چھوڑ کر مراد آباد تشریف لائے تھے، حضرت نے غالباً ایک روز مراد آباد میں قیام فرمایا تھا، حضرت نے مجھ سے فرمایا "بنارس چلو گے"۔ میں نے آمادگی ظاہر کی تو فرمایا، جاؤ سامانِ سفر درست کرو، صبح ۸ بجے ڈیڑھ میل سے روانگی ہے، میں گھر آیا اور شام تک سفر کی تیاریوں میں مشغول رہا، نمازِ عصر کے بعد حسبِ معمول حضرت کے دولت کدہ پر حاضری ہوئی تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ کتنے جوڑے کپڑے رکھے، کتنی شیروانیاں ساتھ لی ہیں، میں نے تفصیل عرض کی تو اظہارِ اطمینان فرمایا اور حکم دیا کہ صبح کو ۶ بجے آجانا۔

دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد بکس (اس زمانہ میں اٹیچیوں کا استعمال رائج نہ تھا)، اور بستر ہمراہ لیکر دردولت پر حاضر ہو گیا تو حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سامان یہاں رکھ دو، اور اسٹیشن جاکر سیکنڈ کلاس کے دو ٹکٹ الہ آباد کے خرید کر انتظام کر دو، ہم گاڑی

کے وقت اسٹیشن آئیں گے، الٰہ آباد کا نام سُن کر مجھے مزید استفسار کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت نے مجھ سے بنارس جانے کے لئے فرمایا تھا، لیکن اب الٰہ آباد تشریف لے جا رہے ہیں، بہرحال اسٹیشن پہنچا اور حکم کے مطابق ٹکٹ خریدے حالانکہ میں چاہتا تھا کہ اپنا ٹکٹ سیکنڈ کی بجائے انٹر کلاس کا خریدوں، کیونکہ حضرت کے ہمراہ سفر میں آزادی حاصل نہ ہوگی، لیکن حکم کی تعمیل بہرحال ضروری تھی، غالباً سات بجے حضرت تشریف لائے، حضرت قدس سرہٗ کو دیکھ کر ریلوے کا مسلمان عملہ حسب معمول زیارت کے لئے آیا، ان میں بشیر الزمان صاحب (جو جناب عبدالحق صاحب سُنّی امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے محبوب مرید تھے کے رشتہ میں بھانجے یا کوئی اور عزیز ہوتے ہیں) آئے اور مجھ سے ٹکٹ لے کر واپس گئے اور انٹر کلاس کے دو ٹکٹ لائے اور قلی سے انٹر کلاس میں سامان رکھنے کو کہہ دیا، اس دن ٹرین لیٹ تھی اور اس وقت خالی تھی، البتہ وہ ڈبے جو الٰہ آباد کے لئے مرادآباد سے لگتے تھے، پلیٹ فارم پر کھڑے تھے حضرت نے جب انٹر کلاس میں سامان رکھتے ہوئے دیکھا تو تعجب کی نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے حقیقت حال عرض کر دی خان صاحب کی عقیدت و محبت حضرت کو معلوم تھی، اس لئے حضرت خاموش رہے، خان صاحب نے کمپارٹمنٹ میں جا کر ایک سیٹ پر حضرت کا بستر بچھوایا اور دوسری جانب اوپر کی سیٹ پر میرا بستر لگوا دیا، ٹرین آئی اور روانگی کے بعد امروہہ کے اسٹیشن پر خان صاحب بھی اسی ڈبے میں آگئے اور حضرت قدس سرہٗ سے مسائل دریافت کرنے لگے، یہ سلسلہ بریلی کے اسٹیشن تک جاری رہا، بریلی کے اسٹیشن پر خانصاحب چونکہ اس ٹرین میں ٹی ٹی ای (ٹرین ٹکٹ ایگزامینر) کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے، اپنی ڈیوٹی پوری کرنے گئے اور پھر شاہجہانپور کے اسٹیشن پر واپس آئے، بہرحال لکھنؤ کے اسٹیشن تک خانصاحب کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، لکھنؤ کے اسٹیشن پر رخصتی سلام کر کے خانصاحب چلے گئے، پرتاپ گڑھ کے اسٹیشن پر ہماری بوگی ہاوڑہ میل سے علیحدہ کر کے الٰہ آباد جانے والی ٹرین سے منسلک کر دی گئی، رات کو تقریباً آٹھ بجے جب الٰہ آباد اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں میں محدث اعظم حضرت شیخ المشائخ مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی قدس سرہٗ کو موجود پا کر حضرت نے مجھ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ خیر کرے، محدث صاحب یہاں کیسے ہیں، وہ تو جلسہ میں مدعو نہیں، اس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت یہاں جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں، گاڑی رکنے پر حضرت قدس سرہٗ محدث صاحب کے ساتھ انتظار گاہ (ویٹنگ روم) میں تشریف لے گئے اور تقریباً نصف گھنٹہ تک محدث صاحب سے تنہائی میں گفتگو فرماتے رہے، حضرت محدث اعظم قدس سرہٗ اسٹیشن پر مقیم رہے اور دوسری گاڑی سے بنارس تشریف لے گئے، حضرت قدس سرہٗ مفتی فہیم اللہ صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لائے، نماز عشاء کے بعد کھانا تناول فرمایا اور حسن منزل میں منعقدہ جلسہ میں تقریر فرمائی۔

صبح کو آٹھ بجے اپر انڈیا ایکسپریس سے بنارس کے لئے روانگی ہوئی، بنارس کے راستہ میں حضرت نے اشارۃً محدث کی آمد کی غرض بتائی۔ بنارس تشریف لانے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ مولوی عارف اللہ صاحب قادری مدظلہ کو فوراً تار دو کہ پہلی فرصت میں بنارس پہنچیں، میں نے تار لکھ کر ایک صاحب کو دیا، وہ جا کر تار دے آئے، یہاں آکر مولانا نذیر الاکرم صاحب

اور مولوی غلام معین الدین صاحب مرحوم سے معلوم ہوا کہ یہاں اس وجہ سے سخت پریشان ہیں کہ جنگ کے بعد مرتب ہونے والے اثرات کی وجہ سے کلکٹر بنارس نے غلہ کو پرمٹ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اب مہمانوں کے کھانے کا انتظام کس طرح ہوگا، لیکن حضرت قدس سرہٗ کے چہرہ مبارک سے کسی پریشانی کا اظہار نہ ہوتا تھا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے مولوی غلام معین الدین مرحوم سے فرمایا۔ کاغذ لاؤ، اور ایک اخباری بیان اور ایک گشتی مراسلہ املا کرایا کہ کانفرنس میں شرکت کرنے والے اپنا راشن ساتھ لائیں۔ یہ بیان اخبارات کو روانہ فرمایا اور گشتی مراسلہ طبع کرا دیا۔

دوسرے دن محترمی مولانا عارف اللہ شاہ صاحب تشریف لائے تو حضرت نے فرمایا کہ کلکٹر سے ملیں اور اس سے یہ اجازت حاصل کریں، چونکہ میں نے اپنے مندوبین کو غلہ ساتھ لانے کی ہدایت کی ہے، لہٰذا اجتماعی طور پر اس کو پکانے کی اجازت دیدیں، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے گشتی مراسلہ اور اخباری بیان کی روشنی میں اجازت دے دی، اب مرحلہ غلہ کا حصول تھا، شہر میں پرمٹ کے بغیر ایک دانہ بھی باہر سے نہیں آسکتا تھا، اس لئے ایک شب حضرت محدث اعظم قدس سرہٗ مضافات بنارس تشریف لے گئے، نصف شب کے قریب غلے کے ٹرک کو پولیس نے روک لیا، مڈوائیڈیہ کے قریب حضرت محدث اعظم قدس سلسلہ اشرفیہ کے روایتی لباس میں رونق افروز تھے۔ جس وقت کارکنان حکومت نے ٹرک کو روکا تو ٹرک پر پیچھے بیٹھے ہوئے احباب سراسیمہ ہو گئے اور جب پولیس والوں نے دریافت کیا کہ یہ غلہ کس کا ہے تو ان کو آگے جانے کو کہا گیا، لیکن جب محدث اعظم ہند قدس سرہٗ کے چہرہ مبارک پر ان پولیس والوں کی نظر پڑی تو فوراً ان کی زبان سے نکلا "ٹرک آگے بڑھاؤ اور جاؤ" اس طرح یہ مرحلہ بھی بحسن وخوبی مکمل ہو گیا۔

کانفرنس کے انعقاد میں ابھی دس بارہ دن باقی تھے کہ میرے استاذ جانی مولانا قاضی احسان الحق صاحب مرحوم مولانا عبدالرشید خان صاحب مرحوم بھی تشریف لے آئے تھے، مولانا ضیاء القادری صاحب مرحوم بھی بہت پہلے بنارس آگئے تھے، ان تمام حضرات کا قیام مدرسہ حمدیہ مدن پورہ میں تھا، محدث اعظم ہند بھی مدرسہ میں مقیم تھے، حضرت صدرالافاضل قدس سرہٗ رات کو ماسٹر عبداللہ صاحب اشرفی کنٹریکٹر ڈیری فارم بنارس چھاؤنی کے بنگلہ پر تشریف لے آتے تھے۔ عزیزی مولوی نذیر الاکرم اور مولوی غلام معین الدین مرحوم جو معتمد کانفرنس کی حیثیت سے کام کرتے تھے، ساتھ ہوتے تھے، میں بھی اکثر حضرت کے ساتھ ہی ماسٹر صاحب کے یہاں رات گذارتا تھا، ایک شب عجیب واقعہ پیش آیا، حضرت نے مدن پورہ سے چلتے وقت قاضی احسان الحق صاحب کے صاحبزادہ قاضی رضوان الحق صاحب سے فرمایا، تم ہمارے ساتھ چلتے ہو؟ — قاضی صاحب موصوف کو کچھ تکلف ہوا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رات بھر جاگتے تھے، دو آدمی پیر دباتے رہتے تھے اور ہم میں سے ایک ساتھی حضرت کے ساتھ کام کرتا تھا، حضرت مخطوط کے جوابات لکھواتے، تجاویز مرتب کراتے، اس کا املا فرماتے رہتے اور ہم لوگ لکھتے رہتے تھے۔

ان حضرت نے یہ خیال کیا کہ حضرت کے ساتھ جانے میں رات بھر جاگنا ہوگا، اس لئے حضرت کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوئے، اس رات کو میں مولانا غلام معین الدین مرحوم یا مولوی نذیر الاکرم صاحب حضرت کے پیر دبا رہے تھے اور ہمارے ایک ساتھی حضرت کے فرمودہ کلمات لکھ رہے تھے کہ ایک دم شور ہوا اور ماسٹر صاحب کے یہاں ایک صاحب جو بچوں کو پڑھانے آتے تھے، انہوں نے ماسٹر صاحب کی کوٹھی کی دیوار پر ایک چور کو دیکھ کر شور مچا دیا، ہر طرف افراتفری پھیل گئی، حضرت نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ میرا بیت (عصا) میرے پاس رکھ دو اور تم لوگ جاکر سو جاؤ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ اگر تمام رات جاگتے رہیں اور صرف نماز فجر کے بعد ایک گھنٹہ بھی آرام فرمالیں تو ان پر ذرا بھی کسلمندی کا احساس نہ ہوتا تھا، بنارس کانفرنس کی تیاری اور کانفرنس کے دوران میں نے شب و روز میں حضرت کو دو گھنٹے سے زیادہ آرام کرتے نہیں دیکھا۔

یہ عظیم الشان اور عدیم المثال کانفرنس اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد تھی، مندوبین شاہی فاطمان باغ میں مقیم تھے اور اس کے وسیع و عریض ہال میں خصوصی اجلاس ہوتے تھے، اور عام اجلاس رات کو غالباً بینا باغ کے وسیع میدان میں تفاخر کی بناء پر نہیں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر یہ بات لکھ رہا ہوں کہ جس تندہی سے میں اور میرے رفقاء شب و روز حضرت کے ساتھ کام میں منہمک رہتے تھے، اس کو دیکھ کر منتظمین کانفرنس جن کا تعلق بنارس سے تھا، کہتے تھے کہ حضرت صدر الافاضل اپنے ساتھ تین مشینیں لائے ہیں، یہ بچے کام کرتے کرتے تھکتے بھی نہیں۔

یوں تو کانفرنس میں خیبر سے ڈھاکہ تک کے مشاہیر علماء و مشائخ شریک تھے، لیکن جو مناظر حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف کے ساتھ تشریف لانے والے قافلے نے پیش کئے، اسے اہل بنارس برسہا برس تک یاد رکھیں گے حضرت پیر صاحب کا وفد تقریباً اسی (۸۰) مسلح افراد پر مشتمل تھا اور یہ لوگ جب ذکر کرتے ہوئے بنارس کی سڑکوں سے گزرتے تھے تو ہندو بھی فرط عقیدت کی بناء پر دوکانوں سے اتر کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

بنارس برصغیر میں ہنود کا تیرتھ (متبرک مقام) شمار ہوتا ہے اور اس جگہ اسلامی شوکت و حشمت کا ایک نمونہ آج بھی اورنگ زیب عالمگیر کی تعمیر کردہ مسجد کی شکل میں موجود ہے، جب پیر صاحب قدس سرہٗ کو یہ معلوم ہوا کہ اس مسجد کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے تو پیر صاحب مع اپنے مریدین کے مسجد تشریف لے گئے اور شہر کے بہت سے لوگوں کے ساتھ مل کر مسجد کی صفائی کی اور تمام مسجد کو دھویا، نماز کا جب وقت ہوا تو غالباً عصر کی اذان چار میناروں سے بیک آواز نکلی، ایک عجیب سماں تھا، برسہا برس کے بعد اس مسجد میں اذان ہوتی تھی، یہ بھی اسی کانفرنس کا طفیل تھا جس نے برصغیر کی سیاست میں ایک نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات ایسے ہیں، جو غالباً اب تک ضبط تحریر میں نہیں آئے، اگر مولوی عبدالمنعم صاحب اسی طرح گھراؤ کرتے رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ اور بھی پیش کرنے کی کوشش کروں گا، حقیقت یہ ہے کہ مولوی صاحب کا جذبہ قابل قدر ہے کہ اس عظیم الشان کانفرنس کے حالات اب تک پردۂ اخفاء میں تھے، اور ہم رفقاء میں سے کسی نے

بھی اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر کچھ عرصہ اور گذرا تو خطبہ صدارت کی وجہ سے تو کانفرنس یاد رہے گی لیکن دوسرے واقعات نسیاً منسیا ہو جائیں گے، توفیق الٰہی شامل حال رہی تو آئندہ شمارے میں چند اور واقعات ملاحظہ فرمائیں گے۔

اہل سُنت وجماعت کی مرکزی دینی درس گاہ

دار العلوم امجدیہ (ٹرسٹ)

کل پاکستان سُنّی کانفرنس (مُلتان)

کے انعقاد پر اپنے تمام

مشائخ عظام وعُلمائے کرام وعوام اہلسُنّت

کو مُبارکباد پیش کرتا ہے

یہ ادارہ ۳۰ سال سے مسلسل اہلسنت اہل سنت کی خدمت میں مصروف عمل ہے

تمام علوم دینیہ ، حِفظ ، ناظرہ ، قراۃ ، دورۂ حدیث

جیّد اور مشاہیرِ علماء کی نگرانی میں پڑھانے کا معقول انتظام ہے!

۱۰ شوال المکرم سے داخلے جاری ہیں

منجانب: مُفتی ظفر علی (نعمانی) مینجنگ ٹرسٹی وارکین

دار العلوم امجدیہ ، ٹرسٹ عالمگیر روڈ ، کراچی ، فون ۲۱۴۳۵۴

مجاہد ملت حضرت علامہ
مولانا محمد عبد الحامد صاحب
قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

جامعیّت

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی ایک شخص میں تمام خصوصیات یکجا نہیں ہوتیں۔ اگر ایک شخص بہتر معلم ہے، تو عمدہ خطیب نہیں اگر بولتا اچھا ہے۔ تو انشاء پرداز نہیں۔ پھر اسی طرح علماء میں بہت کم ایسے بزرگ ہیں جو تمام علوم و فنون میں یکساں مہارت رکھتے ہوں۔ اگر کوئی فقہ و حدیث اچھا پڑھاتا ہے، تو ادب و منطق میں رواں نہیں۔

حضرت استاد العلماء صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ علماء میں ایک ایسے فرد کامل تھے کہ تقریر و تحریر، درس و تدریس، صرف و نحو، تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، فلسفہ و منطق، ریاضی، اقلیدس وغیرہ علوم و فنون میں اس درجہ مہارت رکھتے تھے کہ ہر فن کی اوسط و اعلیٰ کتابیں بیسیوں پڑھائیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہر فن کی کتاب کا پہلے نفس مضمون ادا فرماتے، پھر اسکی تشریحات کرتے، اپنی طرف سے اعتراض قائم کرکے جوابات دیتے، کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑتے، نہ کسی اعتراض کی کوئی بات باقی رہ جاتی۔ ذہین و فطین طلباء مطالعہ میں بہت سے اعتراضات و ابہامات لیکر جاتے، مگر حضرت اپنے علمی تبحر اور ذکاوت سے کسی اعتراض کا موقع ہی باقی نہ رہنے دیتے۔ طلباء پر ان کی شفقت بزرگانہ اس درجہ تھی کہ ہر ایک طالب علم یہی سمجھتا تھا کہ مجھے زیادہ چاہتے ہیں۔ طلباء کی علمی، رہائشی اور دیگر ضروریات پر نظر رکھتے۔ طلباء کو محنت و سادگی اور اخلاق نبوی کا خصوصی درس دیا جاتا۔

حضرت مولانا مرحوم حلقۂ درس کے علاوہ اپنے مکان میں جس قدر قیام فرماتے، اور ملاقاتیوں سے ملتے ہر ایک ملاقات میں ان کی زبان سے اصلاح سخن و درستی اخلاق، محبت نبوی کا زیادہ سے زیادہ درس ملتا، اور اکابر علماء و اتقیاء، اولیاء اللہ کی مجلسوں کا رنگ نمایاں رہتا۔

بدایوں، بریلی، مراد آباد کے خانوادوں کا یہ طرہ رہا کہ ان کے مدارس و خانقاہوں میں طلباء اور حاضر باشوں کو متبع دین بنایا جاتا، عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، محبت حضرات اصحاب کرام و اہلبیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی پیروی رگ و پے میں بٹھائی جاتی۔

الغرض حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وجود گرامی نازش اہلسنت تھا، وہ بہترین

مدرس، اونچے فقیہ، اعلیٰ خطیب، عدیم المثال محرر و مصنف تھے۔ شاعری سے بھی کافی لگاؤ تھا، مشاعروں سے دور رہتے تھے، مگر اچھا اور معیاری قسم کا کلام تھا۔ مولانا کا علمی فیض ہندوستان کے ہر ایک صوبے میں پھیلا ان کے شاگردوں کی جماعت جہاں پہنچی اس نے ہر ایک مقام پر مدارس قائم کئے۔ اور علمی و دینی خدمات کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ مولانا کے شاگردوں کی کثیر تعداد اب بھی پاک و ہند میں بکثرت موجود ہے، جو علمی و مذہبی خدمات میں منہمک ہے۔

تنظیمی کوشش

حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو ہندوستان کے جملہ اہل سنت اور اسکے علماء و مشائخ کی تنظیم و اتحاد کی علمبردار تھی ان کا عرصہ سے خیال تھا کہ جس طرح ہو سکے حضرات علماء اہل سنت اپنے بکھرے شیرازے کو مجتمع کریں۔ ان کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہو جس پر تمام عوام اہل سنت یکجا ہو کر کام کریں۔ تنظیم و یکجہتی، اتحاد و یگانگت رسمی طور پر تو بہت اچھے الفاظ و نام ہیں، لیکن ان عنادین پر عمل کرانا شدید مشکل ہے۔ خصوصاً ایسی فضا میں جب کہ بعض بعض مسائل میں باہم دگر اختلافات حد کو پہنچ گئے ہوں، اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا بھی ناگوار ہو چکا ہو، ایسے ماحول میں حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا علماء و مشائخ اہل سنت کو یکجا اور متحد کرنا، وقت کا نازک ترین مسئلہ تھا پھر سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور تحریکات قومیہ نے نظریاتی اور سیاسی حیثیت سے باہمی خلیج پیدا کر دی تھی، بہت سے علماء اہلسنت جو سیاست میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے تھے، اور علماء بریلی و مراد آباد سے ان کے علائق ظاہری میں بون بعید پیدا ہو چکا تھا تحریک مسلم لیگ و پاکستان شباب پر تھی۔

سُنّی کانفرنس بنارس

ایسی نازک ترین فضا میں جبکہ باہمی علائق کی زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں۔ حضرت ابو المحامد مولانا سید محمد صاحب اشرفی محدث کچھوچھوی مدظلہ العالی اور حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اپنے اخلاص اور جماعتی مفادات کی خاطر علماء بدایوں و بریلی کے دیرینہ اختلافات کے مٹانے اور ایک نقطۂ نظر پر لانے کی تحریک شروع فرمائی۔ ہر دو بزرگوں کی مخلصانہ جد و جہد نے عرصہ دراز کے افتراق و اختلاف کو مٹا دیا۔

علماء بدایوں جماعتی تنظیم اہل سنت کی ترقی و سربلندی کی تحریک کے مؤید ہو گئے، اور شانہ بشانہ تنظیم اہل سنت کی تحریکات میں شریک ہو کر شرک ہو گئے۔

اجلاس بنارس

میں نے اپنی چالیس سالہ قومیات کی زندگی میں صدہا کانفرنسیں، اور بیسوں خود منعقد کیں، لیکن میں کہتا

ہوں کہ بنارس کی سنی کانفرنس کی طرح گزشتہ چالیس سالوں میں کوئی ایک کانفرنس بھی نہ ہو سکی، ہندوستان کے ہر صوبہ کے علماء و مشائخ جس کثیر تعداد کیساتھ بنارس میں تشریف لائے کسی اور مقام و شہر میں اس نوعیت کا کوئی اجلاس نہیں ہوا۔

کانفرنس خطبات، مقالات، تجاویز اور مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے فقید المثال کانفرنس تھی۔ کاش کانفرنس کے اختتام کے بعد ہمارے علماء و مشائخ اپنے اپنے علاقہ جات میں کانفرنس کے لائحہ عمل کو رُو بہ کار لاتے، تو وہ چند اجلاس اہل سنت مذہبی و سیاسی و علمی زندگی کو استوار کر دیتے۔

ادھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل علالت طبع مانع رہی، مگر علالت کے باوجود زندگی کے آخری لمحات تک مولانا سرگرم عمل رہے، انکی زندگی، تالیفات و مضامین، بیانات و نصائح آج بھی ہم سب کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

اخبار "سواد اعظم" حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کا نمبر بعنوان "حیات صدر الافاضل" نکال رہا ہے، جس میں حضرت مولنا علامہ معین الدین نعیمی مراد آبادی مولانا مرحوم کی حیات کے مختلف عناوین پر سیر حاصل بحث فرمائینگے۔
میں رمضان شریف کے بعد سے اب تک صاحب فراش ہوں پلنگ پر بمشکل بیٹھکر یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے اندر جو حالات ہو رہے ہیں، اُن کا تقاضا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے پاک مشن کو زندہ کیا جائے، جماعت اہل سنت و مشائخ و علماء کرام کی تنظیمات کو از سر نو قائم کیا جائے کہ ہماری جماعت تعمیری لحاظ سے کن کن چیزوں کی محتاج ہے۔

ہمارے یہاں مدارس کی قلت، مدرسین و واعظین اور ایسے مبلغین جو پاکستان، اور بیرون پاکستان حالات عصر حاضر کو سامنے رکھکر بہترین اور کامیاب خدمتیں کر سکیں، معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ مدرس و امام کم سے کم ہیں۔ ان حالات کا تقاضا ہے کہ ہمارے دماغ تعمیری ضروریات کی تکمیل کیطرف جلد از جلد متوجہ ہو کر کام شروع کر دیں۔ اگر اب بھی جمود و تعطل دور نہ ہوا تو جماعت صرف رسمی اور رسمی طور پر تو ہو گی، مگر اثرات کے لحاظ سے اس کا جنازہ نکل جائے گا۔

بہتر سے بہتر مدرس، واعظ، مفسر، محدث، فقیہ، قاری و امام کافی تعداد میں قائم کئے جائیں، حضرت علامہ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح یادگار یہی اُمور ہیں۔

فقیر محمد عبدالحامد القادری البدایونی ۳۰ مئی ۵۹ء

اہلِ سنت کی عظیم دینی درسگاہ:
دارالعلوم نعیمیہ
میں امسال
علامہ غلام رسول صاحب سعیدی
سابق شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ
لاہور
کی تدریسی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں!
دورۂ حدیث، درجہ فاضل عربی اور درس نظامی
کے تمام درجات میں داخلے جاری ہیں۔ طلبہ کے جملہ مصارف کے علاوہ نقد وظائف اور دورۂ حدیث و درجہ فاضل عربی کے طلبہ کو
خصوصی وظائف
بھی دیے جاتے ہیں، یونیورسٹی اور بورڈ کے امتحانات کی تیاری میں اعانت کی جاتی ہے۔ انگریزی و دیگر مضامین کی تدریس کا بھی انتظام ہے ۔۔۔ داخلوں کی گنجائش محدود ہے!!
اہلِ خیر سے تعاون کی اپیل ہے:
(مولانا) جمیل احمد نعیمی
ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی

علمائے اہلسنت کے

چند یادگار اجتماعات

ان نفوسِ قدسیہ نے مسلمانانِ ہند کو حیاتِ تازہ عطا کی ......!

خواجہ رضی حیدر

جہاد آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء اہلسنت کی پرجوش شرکت کی داستان بڑی طویل بھی ہے اور دلخراش بھی۔ برادرانِ وطن کی جانب سے اس داستان کو مسخ کرنے اور چند گمنام شخصیتوں کو مجاہدین صف شکن ثابت کرنے کی متعدد کوششوں کے بعد آج بھی اس داستان کے اصل خدوخال اپنی جگہ برقرار ہیں مولانا فضل حق خیرآبادی۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی۔ مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ مولانا امام بخش صہبائی۔ مولانا رضی الدین بدایونی، مولانا نقی علی خان بریلوی مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا فیض احمد بدایونی ایسے نمایاں نام ہیں جن کو برصغیر کی تحریک آزادی میں ہمیشہ ہراول دستہ کی حیثیت حاصل رہے گی۔ اگر بنظرِ غائر ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد کا مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس جہاد کا تمام تر سہرا علماء اہلسنت کے سر تھا کیونکہ بدمذہب۔ وہابی اور نیچری افراد نے نہ صرف اس فتویٰ پر دستخط کرنے سے گریز کیا تھا بلکہ انہوں نے معرکۂ دہلی کے موقعہ پر برطانوی افسران کو پناہ بھی دی تھی جیسا کہ تاریخی شواہد سے ظاہر ہے۔ نیچری افراد میں سے سرسید احمد خان ڈپٹی نذیر احمد و دیگر حضرات نے تو کھلے عام انگریزوں کی حمایت کا اعلان کیا اور اسباب بغاوت ہند" و ابن الوقت" جیسی کتابیں انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تحریر کیں اس صورتحال میں جب انگریز نے پوری طرح برصغیر پر غلبہ حاصل کیا تو نزلہ صرف اور صرف علماء اہلسنت اور عوام اہلسنت پر گرا مجاہدین کو باغی قرار دے کر گلی کوچوں میں گولی سے اڑایا گیا، علماء اہلسنت کو پابند سلاسل کیا گیا اور ایسی اذیتیں دی گئیں جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ مساجد میں تالے ڈال دیئے گئے۔ مذہبی مدارس میں زیر تعلیم طلبہ سے جبری مشقتیں لی گئیں اسلام کی تبلیغ جرم قرار پائی اور مذہبی منافقات کا وہ بازار بدمذہب علماء کی نگرانی میں گرم کیا گیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو خطرہ لاحق ہو گیا۔

اس دور رستاخیز میں الحمد للہ اگر آوازۂ حق کہیں سے بلند ہوا تو وہ علماء اہلسنت کی ہی زبان

مبارک حتیٰ مفتی عنایت احمد کاکوروی حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا انڈمان سے کاٹ کر کانپور واپس آچکے تھے چنانچہ آپ نے ۱۸۶۲ء میں کانپور میں سب سے پہلے مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور از سر نو برصغیر میں قال قال کی مبارک و مسعود آوازیں گونجنے لگیں. مولانا احمد علی محدث سہارنپوری بھی برطانوی استعمار کی جانب سے عام معافی کا اعلان ہونے کے بعد کلکتہ سے سہارنپور واپس آگئے اور مولانا سعادت علی سہارنپوری کے مدرسہ مظاہر العلوم میں دورہ حدیث کا آغاز کیا مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی بھی جو بذات خود جہاد آزادی میں شریک تھے برطانوی تسلط کے بعد کے ہندوستان میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ صورتحال اور ان کے حقوق کی بے دردی کے ساتھ پامالی کا جائزہ لے رہے تھے چنانچہ ایک مرحلہ پر موخر الذکر دونوں علماء نے فیصلہ کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی جمعیت اور جذبہ ایمانی بیدار کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں، ہر چند حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے مگر اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی چنانچہ انہوں نے علماء کا ایک وفد تیار کیا جس کو مذہبی مدارس کی تجدید و احیاء کا کام سونپا گیا۔

علماء کا اوّلین وفد

حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے اس وفد کے لئے جن علماء کا انتخاب کیا ان میں مولانا محمد علی مونگیری مولانا احمد حسن کانپوری. مولانا محمد علی واعظ اور مولانا وصی احمد محدث سورتی شامل تھے جبکہ وفد کی قیادت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے سپرد کی گئی تھی اس وفد نے کئی ماہ تک بنگال پنجاب سرحد اور بہار کا دورہ کیا اور قنوطیت زدہ برصغیر میں ایک نئی روح پھونک دی. بنگال میں مولانا عبدالغنی اسلام آبادی اور پنجاب میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی وجہ سے اس جماعت کو اپنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور ہزاروں مدارس میں از سر نو تعلیم شروع ہوگئی اگر ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کی ملی تحریکات کا جائزہ لیا جائے تو اس سیاسی اور مذہبی گھٹن کے دور میں علماء کی یہ واحد جماعت نظر آتی ہے جو مسلمانوں کے لئے امید کی پہلی کرن ثابت ہوئی اور وہ یہ باور کرنے لگے کہ ابھی ان کی اجتماعی حیثیت اور ملی وحدت پارہ پارہ نہیں ہوئی ہے ۔

علماء اہلسنت کے مذکورہ بالا وفد کے نمایاں کامیابی کے بعد برصغیر کے مذہبی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی اور علماء اہلسنت کھل کر قومی بقاء کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہو گئے. اس سلسلہ میں متعدد اجلاس منعقد ہوئے جو پہلے تو محدود ہوتے تھے لیکن بعد میں عام جلسوں کی

شکل اختیار کر گئے۔ دہلی، مراد آباد، کانپور، رامپور، بریلی، بجنور، بدایوں، میرٹھ، شاہجہانپور، پٹنہ بہار، پشاور، لاہور، کلکتہ اور ڈھاکہ میں متعدد دینی مدارس کا دھوم دھام سے افتتاح کیا گیا جن میں پورے برصغیر سے نامور علماء اہلسنت نے شرکت کی۔ ندوۃ العلماء کا قیام بھی علماء اہلسنت کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا جس کا بعد میں غیر مقلدوں کی چیرہ دستیوں نے چہرہ مسخ کر دیا علماء اہلسنت نے جب اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان کی دعوت پر مفاسد ندوہ کی اصلاح چاہی اور اس کی کارروائیوں سے برأت کا اعلان کیا تو جہاں عوام کے مختلف حلقوں نے اس کا خیر مقدم کیا وہاں سیاسی رہنماؤں نے بھی اس سے اپنی علیحدگی کا یقین دلایا اس سلسلہ میں ڈھاکہ کے نواب سر سلیم اللہ خاں کا ذکر یوں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ نواب سر سلیم اللہ خان نے ندوۃ العلماء میں غیر مقلدوں کی شرکت کی مذمت میں اعلیٰحضرت کو ایک مکتوب روانہ کیا تھا۔ اور علماء اہلسنت کے اقدام کی حمایت کا اعلان کیا تھا جس کی تفصیلات مولانا عبدالحق پہلی بھیتی کے رسالہ سرگذشت و ماجرائے ندوہ مطبوعہ نادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ میں درج ہیں۔

۱۱ صفر ۱۳۱۷ھ کو مولانا عبدالقیوم بدایونی والا ماجد مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم نے جامع مسجد شمسی بدایوں میں ایک مدرسہ جامع شمسیہ کی بنیاد ڈالی اس موقع پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا جس میں اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی، علامہ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی، مولانا وصی احمد محدث سورتی مولانا امانت اللہ غازی پوری، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا ابو محمد دیدار علی الوری وغیرہ نے شرکت کی اس عظیم الشان جلسہ کی روئیداد مولانا وصی احمد محدث سورتی نے رسالہ تحفۂ حنیفہ جلد ۱۳۱۷ھ میں تفصیلاً تحریر کی تھی جلسہ میں شرکت کے لئے مختلف بلاد و امصار سے بڑی تعداد میں مسلمان بدایوں پہنچے تھے اور انہوں نے علماء اہلسنت کے مواعظ حسنہ سے استفادہ کیا تھا۔

۱۶ رجب ۱۳۱۸ھ کو علامہ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے جو صوبۂ بہار میں فروغ علم دین کی جد وجہد میں مصروف تھے۔ مدرسہ حنفیہ کا سالانہ جلسۂ عام منعقد کیا۔ علامہ محمود احمد قادری نے تذکرہ علماء اہلسنت میں لکھا ہے کہ "اس جلسہ میں پانچ سو سے زائد علماء اہلسنت نے شرکت کی تھی" جلسہ کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کو اس جلسہ میں پہلی مرتبہ مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی نبیرہ شاہ فضل رسول بدایونی نے "مجدد مائۃ حاضرہ" کے لقب سے مخاطب

کیا اور تمام علماء و مشائخ نے اس کی تائید کی جبکہ اس جلسہ کا المناک پہلو یہ ہے کہ مولانا عبدالقیوم بدایونی جلسہ میں شرکت کی غرض سے بذریعہ ریل علماء کے ایک وفد کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے ریل کے حادثہ کا شکار ہوئے اور ۱۷رجب کو جلسہ کے اختتام پر انتقال کر گئے اس جلسہ میں جن علماء نے شرکت کی تھی ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی مولانا عبدالقادر بدایونی۔ استاذ العلماء علامہ ہدایت اللہ خان رامپوری۔ علامہ عبدالکافی الہ آبادی۔ علامہ سید محمد فاخر الہ آبادی۔ علامہ معوان حسین رامپوری مولانا شاہ عبدالصمد پھلواری۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی۔ مولانا احمد حسن کانپوری۔ شاہ مخدوم امین احمد ثبات منیری۔ علامہ سید عبدالعزیز انبیٹھوی مولانا عبدالمقتدر بدایونی۔ مولانا محب احمد بدایونی وغیرہم۔

اس اجلاس میں اہلسنت کے مدارس و مسلک اہلسنت کی اشاعت و تشہیر کے فروغ اور شاتمان رسول اللہ کی گستاخیوں کے سدباب کے سلسلہ میں علماء کرام نے سفارشات پیش کیں اور طے کیا گیا کہ تمام سنی مدارس اپنے سالانہ اجتماعات دستار بندی بڑے پیمانے پر منعقد کریں تاکہ عوام اہلسنت کو عقائد اہلسنت سے پورے طور پر روشناس کرایا جا سکے۔

شوال ۱۳۱۸ھ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی نے پیلی بھیت میں ایک عظیم الشان مدرسہ "مدرسۃ الحدیث" کی بنیاد ڈالی۔ اس موقعہ پر ایک تاریخی جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے فرمائی۔ جلسہ میں شرکت کرنے والے ممتاز علماء میں مولانا احمد حسن کانپوری مولانا عبدالقادر بدایونی۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری۔ مولانا محمد عادل کانپوری۔ مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی خلف الرشید حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی۔ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی۔ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری۔ مولانا ہدایت رسول لکھنوی۔ مولانا عبدالعلی آسی مدراسی اور قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ علامہ محمود احمد قادری نے تذکرہ علماء اہلسنت میں لکھا ہے کہ اس جلسہ میں دور دراز سے علماء نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے فن حدیث پر تقریباً تین گھنٹہ تقریر فرمائی تھی۔

ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں انجمن نعمانیہ لاہور کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی۔ مولانا دیدار علی الوری۔ پیر دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پٹن شریف۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی۔ خلیفہ تاج الدین احمد۔ مولوی احمد حسین رامپوری۔ مولانا حکیم نعیم الدین مرادآبادی مولوی غلام احمد شوق سنبھلی۔ مولانا محمد ذاکر چشتی بگوی۔ پیر سید غلام محی الدین گولڑوی۔ مولوی

شفقت حسین بلاری، مولانا محمد عمر نعیمی، مولانا عبد الحکیم پشاوری، مولانا ابو الفرح عبد الحمید پانی پتی، مولانا فاضل جالندھری، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا اکرام الدین بخاری نقشبندی امام و خطیب مسجد وزیر خان لاہور، مولانا مفتی ولی محمد جالندھری اور مولوی حکیم محمد یعقوب بلاسپوری نے شرکت کی

یہ اجلاس چار دن جاری رہا۔ اجلاس کے آخر میں مولانا امجد علی اعظمی نے جو اعلیحضرت فاضل بریلوی کی ہدایت پر اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ وہ مسودہ عقائد جو گذشتہ سال اجلاس کے موقعہ پر بمشورۂ علماء کرام تجویز ہوا تھا۔ اور جس کو فاضل بریلوی نے ترمیم کے بعد ارسال کیا تھا اجلاس میں پیش کیا۔ اور علماء کرام سے منظوری حاصل کی۔ اجلاس میں علماء کرام نے عقائد اہلسنت کی تشہیر و اشاعت کے سلسلہ میں سفارشات پیش کیں اور انجمن کو ہر سال عظیم الشان اجتماع منعقد کرنے پر مبارکباد دی۔ ۲۱۔ صفر ۱۳۳۶ھ بمطابق ۲۵۔ نومبر ۱۹۱۸ء کو کاسمی سی پی میں انجمن اشاعت اسلام نے ایک جلسۂ عام منعقد کیا جو اپنی نوعیت کا پہلا عام اجلاس تھا اور بصورت دیگر پہلی سنی کانفرنس تھی۔ امرتسر کے رسالہ الفقیہ نے ۲۰۔ نومبر ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں اس کانفرنس کی تفصیلات درج کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس جلسہ میں باہر سے آنے والے وفود کے قیام و طعام کا انتظام کیا گیا ہے۔ الفقیہ میں شائع شدہ اجلاس کی اطلاع کے مطابق اس اجلاس میں جن علماء کرام نے شرکت کی ان میں اعلیحضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان، پیر سید محمد ابراہیم بغدادی صدر انجمن اصلاح عقائد کلکتہ، مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی، مولانا قطب الدین احمد برہمچاری، مولانا مفتی عبد الکافی الٰہ آبادی، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا شمس الدین احمد فرخ آبادی، مولانا عبد السلام جبلپوری، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عبد الحمید در بنگوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا رحیم بخش آروی، مولانا اسرار الحق رشتگی، مولانا عبد الجبار لہری آگرہ، مولانا فضل الرحمٰن فیروز پوری، منشی محمد احسن خان کلکتہ، مولانا محمد سلیمان آگرہ، حافظ احمد اللہ کانپوری، مولانا احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا غلام احمد اخگر امرتسری اور میر واعظ مولانا خیر شاہ امرتسری شامل تھے اس اجلاس کے بارے میں معاصر اخبارات کی عدم دستیابی اور رسالہ الفقیہ کی فائلوں کی نایابی کی بناء پر مزید معلومات نہ مل سکی ہیں۔

مختصر یہ کہ علماء اہلسنت کی مسلسل کوششوں اور جد و جہد سے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک حیات تازہ ملی۔ مردہ قلوب حرارت ایمانی سے سرشار ہوئے وحدت اسلامی کی ایسی فضا سازگار ہوئی کہ جمعیت علماء ہند کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود برصغیر میں اسلامی ریاست پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور سرخروئی اور کامیابی ہمیشہ کے لئے سواد اعظم کا مقدر بن گئی۔

پروفیسر محمد ایوب قادری

علمائے بدایوں کی

سیاسی خدمات کا مختصر جائزہ

۱۸۰۱ء میں روہیل کھنڈ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ پہلے دو ضلعے بریلی اور مرادآباد قرار پائے بعد میں انتظامی سہولت کے اعتبار سے اضلاع میں اضافہ ہوا۔ انگریزوں کے خلاف روہیل کھنڈ میں سب سے پہلا معرکہ ۱۸۱۶ء میں ہوا جس کے سربراہ مفتی محمد عوض تھے۔ ان کے والد مفتی درویش محمد عثمانی بدایونی کو حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے بریلی کا مفتی مقرر کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند محمد عوض مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۸۱۲ء میں انگریزوں نے ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے بنارس و بریلی سے شہروں پر چوکیدارہ ٹیکس لگایا۔ جس کا شدید ردعمل ہوا۔ ان مقامات پر رعایا نے مقابلہ کیا ۱۸۱۶ء میں بریلی میں مفتی محمد عوض کی قیادت میں مقابلہ ہوا۔ بریلی کے جج کا لڑکا مارا گیا۔ آخر میں مجاہدین کو ناکامی ہوئی۔ مفتی محمد عوض ٹونک چلے گئے۔ نواب امیر خاں سے ان کے مراسم تھے وہیں ان کا انتقال ہوا۔ بریلی کے مفتیوں کا خاندان مفتی درویش محمد بدایونی کی اولاد میں سے ہے۔ ان میں مفتی ابوالحسن، محمد حسن صدر الصدور مفتی سلطان حسن (تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادی) قاضی عبدالجلیل جنون (تلمیذ غالب) اور قاضی محمد خلیل حیراں ایسے مشاہیر پیدا ہوئے۔

برصغیر میں وہابی افکار دہلی کے خاندانِ ولی اللہی سے آئے۔ کتاب التوحید، تقویۃ الایمان اور اسی قبیل کا وہابی ادب جب اشاعت پذیر ہوا تو تقویۃ الایمان کے رد میں سب سے پہلے مولوی شیخ عبدالمجید بدایونی نے ہدایت الاسلام کتاب لکھی۔ پھر ان کے بیٹے مولانا شیخ فضل رسول بدایونی نے رد وہابیت میں سب سے پہلے نمایاں حصہ لیا، اور اس تحریک کا رد بلیغ کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں سیف الجبار اور تصحیح المسائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہابی تحریک کے مذہبی اثرات کے ساتھ ساتھ سیاسی اثرات بھی تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علمائے بدایوں نے نمایاں حصہ لیا۔ ان میں سرفہرست مولانا فیض احمد

بدایونی کا نام ہے۔ جو اپنے دور کے نامور عالم تھے۔ سنٹرل بورڈ آف ریونیو میں ملازم تھے۔ عربی کے بلند
پایہ ادیب و شاعر تھے۔ انہوں نے آگرہ کے قیام میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فنڈر
کے مناظرے میں حصہ لیا۔ اور مولوی رحمت اللہ کے مددگار رہے۔ پھر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں
مردانہ وار حصہ لیا۔ وہ دہلی بھی گئے۔ آخری معرکہ گنگرالہ میں ہوا۔ اس میں ڈاکٹر وزیر خاں۔ شہزادہ
فیروز شاہ جیسے بطل حریت بھی موجود تھے۔ انگریزوں کا مشہور جرنیل پینی مارا گیا۔ اس معرکہ کے بعد
مولانا فیض احمد بدایونی نیپال کی طرف چلے گئے۔ بدایوں کے دوسرے مجاہدین حریت میں مولوی رضی اللہ
مولوی اشرف علی نفیس۔ شاہ نیاز احمد سہسوانی وغیرہ کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ ان میں مفتی سید احمد
بدایونی ثم بریلوی بھی ممتاز ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں پر جمود تعطل کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اب سر سید احمد خاں کا دور
و دوران کی پالیسی شروع ہوئی۔ سرسید نے ہر میدان میں حصہ لیا۔ ان کی مذہبی پالیسی اور عقائد سے علماء نے
کھل کر برأت کا اظہار کیا ان کے مخالفین میں مولانا علی بخش بدایونی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انہوں
نے سرسید کے رد میں کئی کتابیں لکھیں۔

جس طرح سرسید کی مخالفت کا سہرا مولوی علی بخش بدایونی کے سر ہے اسی طرح ندوۃ
العلماء کے رد میں مولانا عبد القادر بدایونی نے کھل کر حصہ لیا[۱] ندوۃ العلماء کے بھی سیاسی اثرات تھے
۱۸۹۹ء میں قاضی عبد الوحید رئیس پٹنہ (مالک تحفہ حنفیہ) کی سرپرستی میں ایک اجلاس ہوا جس میں ندوۃ
العلماء کا رد کیا گیا۔ واپسی پر پٹنہ اسٹیشن پر مولانا عبد القادر کے عزیز مولوی حکیم عبد القیوم ریل سے
گر کر فوت ہو گئے۔ دوسرے مولانا عبد القادر کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور ان کے جانشین ان کے صاحبزادے
مولانا عبد المقتدر (م ۱۹۱۵ء) ہوئے۔ مولانا عبد المقتدر نہایت مقدس اور سرتاپا بزرگ تھے مگر
علی برادران کی تحریک پر وہ بھی سیاسی سرگرمیوں میں دلچسپی ظاہر فرمانے لگے۔ پھر مولانا عبد الماجد بدایونی تو

---

[۱] اس زمانے میں بدایوں میں ایک نیا خانوادہ تصوف مولوی شیخ دلدار علی مذاق بدایونی نے قائم
کیا تھا۔ مذاق اپنے دور کے مشہور شاعر تھے۔ تفضیلی عقائد رکھتے تھے۔ وہ مولانا عبد اللہ
بدایونی سے معاصرانہ و حریفانہ چشمک رکھتے تھے۔ ان کے متوسلین و مریدین نے کھل کر ندوۃ
العلماء کا ساتھ دیا۔ ان میں قاضی علی احمد محمود اللہ نذیر مذاقی بدایونی نہایت پولیٹیکل دماغ رکھتے
تھے۔ وہ ندوۃ العلماء کے خاص کارکن اور مؤید تھے۔

خاص طور سے جس میدان کے مرد ثابت ہوئے اور سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ مولانا عبدالماجد نہایت ذہین عالم اور بے مثل مقرر تھے۔ انہوں نے تحریک خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، مسلم کانفرنس اور جمعیۃ العلماء سب میں حصہ لیا۔ وہ علی برادران کے دست راست تھے۔ انہوں نے تمام ملک کو چھان مارا اور ملک کی سیاسی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کی سیاست میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ انہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے زمانہ میں آگرہ اور بھرت پور کے علاقے علماء کی ایک جماعت بھیجی۔ ان کے بعض متوسلین نے آگرہ میں ڈیرے جمائے اور ایک رسالہ نکالا۔ رد آریہ میں مولوی ادریس لودی بدایونی، قاضی بشیرالدین پنڈت، قاضی حضور الحسنین فرشوری، شیخ عزیز اللہ بدایونی وغیرہ کے نام ممتاز ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے مرکزی اور نمایاں حیثیت مولانا قطب الدین برہم چاری سہسوانی کی ہے۔ انہوں نے آریوں سے مناظرے کیے ان کے رد میں رسالے، پمفلٹ اور چٹ پٹی نظمیں لکھیں۔

مولانا عبدالماجد بدایونی نے اپنے والد حکیم عبدالقیوم مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ شمس العلوم بدایوں کو بہت ترقی دی۔ اس کی شاندار عمارت بنوائی۔ یہ مدرسہ علماء کا مرکز بن گیا۔ یہ مدرسہ آج بھی قائم ہے اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں مولانا عبدالماجد کا انتقال ہوگیا۔ مولانا عبدالماجد کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں کام کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کردی جس نے ان کے بعد مذہبی و سیاسی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولوی خواجہ غلام نظام الدین، مولوی عبدالواحد ولد عبدالصمد مقتدری اور مولانا عبدالحامد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے تحریک مسلم لیگ اور پاکستان میں خاص کردار ادا کیا ہے

۱۹۳۷ء میں جب صوبوں میں کانگریسی حکومتیں بنیں اور یوپی کی کانگریس حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ جو دھاندلیاں اور مظالم کئے بدایوں کی مسلم لیگ نے اس سلسلے کا مواد پیرپور رپورٹ کو بھیجا جو اس میں شامل ہے۔ ضلع، قصبات اور دیہات میں مسلم لیگ کی تنظیم کی۔ ۱۹۳۸ء میں خان بہادر فصیح الدین کے انتقال کے بعد ضمنی انتخاب ہوا جس میں اقتدار الدین حسن بیرسٹر (مسلم لیگی امیدوار) کانگریسی امیدوار (شیخ محمد سلیمان) کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں بدایوں میں نہایت ولولے سے یوم نجات منایا گیا۔ ۱۹۴۰ء میں تقریباً پچاس حضرات پر مشتمل وفد بدایوں سے آیا مولانا عبدالحامد بدایونی کے قرارداد پاکستان پر دستخط ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں نواب اسماعیل خاں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں خاص طور سے بدایوں آئے تحریک پاکستان میں بدایوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مرکزی انتخاب میں ضلع بدایوں میں تقریباً سو فیصدی مسلم لیگ کو ووٹ ملے۔ مسلم لیگ کے امیدوار

غضنفر اللہ (مراد آباد) کامیاب ہوئے اور کانگریسی امیدوار حاجی محمد یعقوب (بریلی) کی ضمانت ضبط ہوئی۔ مولوی عبدالحامد بدایونی، خواجہ غلام نظام الدین اور مولوی ابوالحسن مسلم لیگ کے صدر رہے۔

بدایوں کے قصبات و دیہات میں مسلم لیگ کی خوب تنظیم ہوئی۔ سہسوان میں (عبدالحلیم) اوجھیانی میں (مولوی ابوالحسن وچودھری شمس الدین) لبسولی میں (محمود علی عرف چھدن میاں) وغیرہ نے مسلم لیگ کے لئے خوب کام کیا۔ تحریک کے دوران میں بدایوں مسلم لیگ کا گڑھ اور چھوٹا سا پاکستان مشہور تھا۔

آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ ۱۹۲۰ء میں بدایوں کے ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین میں چار پانچ قسطوں میں ایک طویل مضمون ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط بنام گاندھی شائع ہوا۔ بعد میں ۱۹۲۵ء میں یہی خط ایک رسالہ کی صورت میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا جس میں تقسیم ملک کی اسکیم موجود تھی۔ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے اضلاع کو نام بنام منطقوں میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کو عبدالقدیر بلگرامی کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔ جو عزیز الدین بلگرامی کے بھائی تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الزبیر تحریک آزادی نمبر (بہاولپور) شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اساتذہ کا ایک گروپ تحریک پاکستان میں نہایت فعال تھا۔ اور اس سلسلے میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ ان میں ڈاکٹر افضال حسین قادری بدایونی مرحوم کی شخصیت نمایاں تھیں۔ اس موضوع پر آئندہ تفصیل سے لکھا جائے گا۔

۱۴ اگست کو پاکستان وجود میں آیا۔ اور ۱۵ اگست کو ہندوستان آزاد ہوا۔ پھر مسلمانان بدایوں پر ہندوؤں نے جو مظالم اور زیادتیاں کیں وہ شیخ محمد سلیمان بدایونی مرحوم کے پمفلٹ بدایوں ۱۹۴۷ء میں دیکھئے۔ اور اس سلسلے میں یہ مصرع کافی ہے۔ ؎

"آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں"

مولانا خدا بخش اظہر

سنہ میں علماء اہلسنت نے دارالسلام ٹوبہ میں سنی کانفرنس بلائی تھی جس نے سواد اعظم میں بیداری کی روح پھونک دی اور ملتان میں منعقدہ سنی کانفرنس انشاء اللہ ثابت کر دے گی کہ اس ملک کی اکثریت اہلسنت وجماعت سے متعلق ہے اور یہ اکثریت کسی لادینی یا اقلیتی نظام کو قبول نہیں کرے گی۔

یا الٰہی فیض از دہبانیہ

زد و بارک انجمن نعمانیہ

(اعلیٰحضرت گولڑوی)

انجمن نعمانیہ کی چار روزہ

عظیم الشّان کانفرنس

(شاہ حسین گردیزی)

انجمن نعمانیہ لاہور نے ۱۳۰۵ھ میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی جس کا سلسلہ پہلے تو مختلف مساجد میں رہا، بعد ازیں انجمن نے اپنی زمین خریدلی، اور اس پہ دار العلوم کی تعمیر شروع کی۔ انجمن ہر سال ایک عظیم الشان جلسہ کرتی ہے، جس میں ملک بھر سے نامور علماء کرام اور مشائخ عظام حاضرین کو اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید فرماتے

اہالیان لاہور اپنے روایتی انداز کے مطابق اکابر ملت کا استقبال کرتے اور ان کے پند و نصائح سے مستفید ہوتے ۔ اس دور میں عوام وعظ و تقریر سننے کا بہت زیادہ عشق اور ولولہ رکھتے تھے، سامعین کی تعداد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک ہوتی۔

انجمن کی اس پچیسویں عظیم الشان چار روزہ کانفرنس کے بارے میں علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں۔

"خوش قسمتی سے اس دفعہ مشاہیر علماء کرام و صوفیاء عظام کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ بجائے تین روز کے چار روز تک متواتر جلسہ ہوتا رہا۔ اور سامعین کے اصرار کے باعث رات کو بارہ بجے تک جلسہ کو جاری رکھنا پڑا۔ اور بلندی بالائے سامعین بھی جوق در جوق ہر وقت موجود رہتے تھے، اور کمال اشتیاق سے ہمہ تن گوش رہتے تھے۔"[1]

---

[1] انجمن نعمانیہ کا ماہوار رسالہ نومبر ۱۹۱۲ء

امتیازی اجتماع

اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ دیگر علمائے کرام کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے تین تمائندہ عالم دین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، مولانا دیدار علی شاہ الوری اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی اس میں جلوہ افروز تھے۔ اور تینوں کا وعظ بھی ایک ہی دن ہوا۔ یہ تینوں بزرگ ۱۲۹۵ھ میں مولانا احمد علی سہارنپوری کے پاس دورہ حدیث میں شریک تھے۔ ۳۵ سال بعد تینوں اس جلسے میں جمع ہوئے۔ ان حضرات کی وجہ سے جلسے کی رونق دوبالا ہوگی۔ حاضرین ان کی زیارت کرنے اور تقریر سننے کے لئے دور دور سے آئے۔ حضرت پیر صاحب کے متعلق تو علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں: ہم یہ امر کسی طرح پس انداز نہیں کر سکتے کہ عالی جناب قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سید صوفی حاجی پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف مدظلہ العالی کی آمد اور عالمانہ و صوفیانہ تقریر نے جلسہ کو وہ رونق بخشی کہ سالہائے گذشتہ میں اس کی نظیر مفقود ہے۔[1]

پہلا جلسہ، ۲۷ دسمبر بروز جمعۃ المبارک

اس دن بعد نماز جمعہ انجمن نعمانیہ کے صدر اور روزنامہ رفیق ہند لاہور کے ایڈیٹر مولانا محرم علی چشتی نے افتتاحی تقریر فرمائی جس میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

جب ایسے بزرگان دین اپنے اوطان مالوفہ سے اس سردی میں اور بعض پیرانہ سالی میں سفر کی محنت ہائے شاقہ برداشت کر کے محض ایک دینی مجلس میں اور اس میں احکام خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم سنانے کے لئے اور برادران اسلام کو دینی نعمتوں سے مالامال کرنے کے لئے تشریف لائے تو ان کے مرحبا اور خیر مقدم کے لئے کیا کیا سامان باطن میں ہوتے ہوں گے۔ میرا ایمان اور یقین ہے کہ ہمارے مولیٰ اور آقا اور مالک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس مع اہل بیت اطہار اور اصحاب کبار اور اولیا باوقار اور شہدائے عالی تبار ان کو اپنی شفقت میں لے کر ان کے سر و چشم پہ بوسے دیتے ہوں گے اور برکات الٰہی کے پھولوں کی بارش ان پہ ہوتی ہوگی۔ اللہ اللہ اس اجلاس باا ہتمام کے تصور کرنے سے بھی میرے دل پر ایک بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مجھ میں بہت زیادہ تقریر کرنے کی طاقت معلوم نہیں ہوتی۔ مبارک ہیں اہل لاہور۔ مبارک ہے یہ انجمن نعمانیہ اور مبارک اس انجمن کے مکان کے در و دیوار جو ان نورانی صورتوں سے منور ہیں۔

یہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں!

---

[1] انجمن نعمانیہ کا ماہوار رسالہ۔ ص۲ نومبر ۱۹۱۲ء

بڑی بات یہ ہے کہ ایک میرے جیسے کج مج زبان تو یہ دہ بیان سے ان حضرات کا شکریہ ادا ہونا قریباً محال ہے اور سامی لئے کوئی چارہ سوا اس کے نہیں کہ ان بزرگان دین سے مخاطب ہو کر کمال ادب سے عرض کردوں کہ جس قدر آپ کی عنایت و شفقت ہے اسی قدر ہمارا شکریہ ہے کیوں کہ دونوں چیزیں بے حد و انتہا ہیں[1]

اس کے بعد ملک عمر حیات خاں ٹوانہ نے مختصر لیکن معنی خیز تقریر کی۔ جلسہ رات بارہ بجے تک جاری رہا جس میں مولانا اکرام الدین بخاری خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور، شمس العلماء مجتہد حضرت مولانا مفتی دل النبی جالندھری اور مولانا ابو الفرح عبد الحمید پانی پتی نے تقریریں فرمائیں۔

دوسرا جلسہ، ۲۸ دسمبر ۱۹۱۲ء بروز ہفتہ

صبح دس بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی جو ظہر کی نماز تک جاری رہی۔ مقررین مولانا محمد ذاکر چشتی بگوی خطیب بادشاہی مسجد لاہور، مولانا غلام احمد شوق فریدی اور مولانا عبد الحکیم پشاوری تھے۔

ظہر کے بعد جلسہ پھر شروع ہوا جس کا افتتاح خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی (جن کی عمر اس وقت ۱۸ سال تھی) کی تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد اعلیٰ حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی نے مستقل مقرر نہ ہونے کے باوجود ایسی فصیح و بلیغ اور عالمانہ تقریر فرمائی۔ کہ عوام تو عوام علماء و مشائخ بھی عش عش کر اٹھے۔ مولانا نور بخش توکلی جنہوں نے اس جلسے کی روئیداد مرتب کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ اہل علم پر اس وقت وجدان کی کیفیت طاری تھی۔ خلیفہ تاج الدین صاحب کی حالت کو تو کوئی صاحب حال ہی سمجھ سکتا تھا[2]

آپ نے اپنی تقریر میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر کچھ توفیق خداداد کے بعد تم سے ہو سکے تو صرف اپنی کارروائی کو اکیلا ہر ایک شخص عابد حضرت سلطان یعنی ہماری جناب میں مت پیش کرنا۔ کیوں کہ ناقص اور ردی متاع بالفات خود در علیحدگی اس قابل نہیں ہوتا کہ حضرت سلطان میں پیش کیا جائے۔ البتہ عیب پوشی کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتلاتے ہیں۔ اس معیوب اور ردی رخت اپنی کو عمدہ اور جید متاعوں کے ضمن میں ہمارے پیش کرو۔ یعنی اپنی ردی اور ناقص عبادت اور بندگی کو انبیاء اولیاء اور ملائکہ کی عبادت میں شامل کر کے بصیغہ جمع ایاک نعبد و ایاک نستعین (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب تجھی سے مدد مانگتے ہیں) عرض کرو ہماری شریعت منزلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناس مختلف کو ایک عقد میں بیع کیا جائے۔ اور پھر بعض اشیاء کا عیب ظاہر ہو تو اس صورت میں مشتری یا ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے۔ نہ یہ کہ ردی کو واپس کرے اور

---

[1] انجمن کا ماہنامہ ص
[2] انجمن کا ماہنامہ ص

اچھی کو رکھ لے، رب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف بدی اور معیوب کے واپس کرنے کا فیصلہ ہی دیتی تو سلطان الکل اور مولی الکل کی شان خداوندی سے زیبا نہیں کہ بدی عبادت کو واپس کیا جائے بلکہ یہی زیبا ہوگا کہ سب کو منظور کیا جائے۔[1]

آپ کے بعد اہلسنت کے مشہور عالم مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی نے عصر تک تقریر فرمائی۔ محدث صاحب نے اپنی تقریر کے شروع میں فرمایا کہ سبحان اللہ حضرت پیر صاحب نے ابتداء میں اتنی بلند پرواز فرمائی کہ ارباب علم کو محو حیرت کر دیا، اور آخر میں اس قدر عام فہم مسائل فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کرا دیا۔[2]

عصر کے بعد حضرت مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری نے تقریر فرمائی۔ جو مغرب تک جاری رہی پھر مغرب سے عشاء تک اور عشاء سے رات بارہ بجے تک جلسہ جاری رہا جس سے ان حضرات نے خطاب فرمایا۔ مولانا احمد حسین خان رامپوری، مولانا شفقت حسین بہاری، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا محمد عمر مراد آبادی، مولانا عبدالحکیم بمبئی اور مولانا عبدالحمید پانی پتی۔[3]

تیسرا جلسہ، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء بروز اتوار

صبح دس بجے سے دوپہر تک حضرت مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تقریریں ہوئیں، اس کے بعد مولانا محرم علی چشتی نے انجمن کے ماضی حال اور مستقبل پر بڑے شرح و بسط سے تقریر فرمائی۔ جو نماز ظہر اور عصر کے بعد تک جاری رہی، آخر میں مولانا عبدالحمید پانی پتی کی تقریر ہوئی، اور جلسہ ختم ہو گیا کیونکہ مغرب کے بعد ایک اجلاس ہو رہا تھا جس میں انجمن کی کامیابی کے لئے تجاویز مرتب کرنی تھی۔

اس اجلاس میں دوسری چیزوں کے علاوہ یہ بھی طے ہوا کہ بہت سے مہمان علماء کرام کو تقریر کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے کل ایک جلسہ عام کیا جائے جس میں ان حضرات کو تقریر کا موقع دیا جائے۔[4]

چوتھا جلسہ، ۳۰ دسمبر ۱۹۱۲ء بروز پیر

دس بجے سے نماز ظہر تک حضرت مولانا علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی

---

[1] مہر منیر از مولانا فیض احمد فیضی ص ۳۴۲، ۳۴۳ [2] ملفوظات مہریہ از مولانا گل فقیر احمد پشاوری

[3] انجمن کا ماہنامہ [4] انجمن کا ماہوار رسالہ ص۱۱ نومبر ۱۹۱۲ء

کی تقریر ہوئی۔ ظہر سے عصر تک مولانا فاضل جالندھری اور مولانا سید محمد امین صاحب کی تقریر ہوئی۔ عصر سے مغرب تک دیوان سید محمد سجادہ نشین پاکپتن کی صدارت میں مولانا دیدار علی شاہ الوری نے تقریر فرمائی۔ مغرب کے بعد انجمن کے معتمد و ہتمم مولانا اکرام الدین بخاری نے تقریر فرمائی۔

آخر میں مولانا امجد علی انصاری صدر مدرس مدرسہ اہلسنت و جماعت بریلی نے اپنی مختصر تقریر کے بعد وہ مسودہ عقائد عوام کے سامنے پیش کیا جسے مشاہیر علما کرام کے مشورہ سے بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد مرتب کیا گیا تھا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اس میں کچھ ترامیم بھی کی تھیں [1]

---

[1] انجمن کا ماہوار رسالہ نومبر ۱۹۱۲ء صہ ۵

از قلم۔ حافظ محمد طاہر نظامی

خطبۂ صدارت اجمیر سُنّی کانفرنس

رجب ۱۳۶۵ھ مطابق جون ۱۹۴۶ء میں اجمیر شریف
میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خطیب الہند
سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے صدارتی
تقریر فرمائی اس تاریخی تقریر کا وہ حصہ جو سیاسیات ہند
سے متعلق ہے اسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے

ادارہ

قیام پاکستان سے قبل اہل سنت وجماعت نے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا نعرہ بلند کیا۔ سارے ناپاکوں نے پاکستان کے خلاف صف آرائی کر لی ہے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس پاکستان کی تعمیر کرے گی۔ ۹ کروڑ اہل سنت کے نمائندہ ۲۰ ہزار سنی بریلوی علماء ومشائخ نے پاکستان بنا کر دکھا ہے۔

پاکستان کے معنی اسلامی قرآنی آزاد حکومت ہے۔

جون ۱۹۴۶ء میں سرزمین اجمیر پر صدر آل انڈیا سنی کانفرنس محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کا ولولہ انگیز تاریخی خطبہ زمانہ میں روشنی کے نام پر الحاد کی تاریک آندھیاں چلیں۔ دین فروشوں نے دین کے نام کو بیٹ کا دھندہ بنایا کھلے بازار میں ملت فروشی قوم فروشی کا بلیک مارکیٹ قانون کی زد سے بھی آزاد ہے نام دار العلوم رکھا اور کام ودیا مندر کا کیا نام پوچھو تو احرار بتائیں اور کام دیکھو تو غلاموں کی غلامی پر اتر آئیں۔ یارسول اللہ سن کر گھبرائیں اور بندے ماترم کا ترانہ گائیں نعرۂ تکبیر سے الجھیں اور اپنے باپ کی جے منائیں مسلمانوں سے بیزار اور مشرکوں کے علمبردار اب تو تہبند۔ کا رنگ ایسا چڑھا ہے کہ پہچاننا دشوار ہے کہ مولوی جی ہیں یا مالوی جی ہیں سب کچھ ہے مگر خواجہ تیری خواجگی کے قربان کہ تیرے مست تیرے ہی ہے تیری تعلیم تیرے پیغام سے ایک انچ نہ ہٹے چودہ سو برس کی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہے مشرک کے پاؤں پر توحید کو کھڑا نہیں کیا اور کسی قیمت پر اپنے دین کو نہیں بیچا۔ نہ یورپ کی چال ان پر چلی نہ انگریز کی سرمایہ داری کا جال پھانس سکا یہ خواجہ کی دہائی دینے والے یہ عرس وفاتحہ والے یہ میلاد وقیام والے یہ

نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت والے اسی مقام پر رہے جہاں خواجہ کی کرامت نے ان کو کھڑا کر دیا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ کیسے اچھے ستھرے خواجہ والے، غوث والے اخوان میرے سامنے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد بھی نہایت بلند پایا ہے آج ہمارا اجمیر میں وہی مقصد ہے جو چشت کے راجہ کو صدیوں پہلے اجمیر میں لا چکا ہے جس نے جیلان والے غوث کو بغداد پہنچایا جس کے لئے اللہ کا حبیب مکہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ پہنچا جس مقصد کا مختصر اور صاف نام خدا کے دین کے پیغام اور اس دینداری کی آزادی ہے ذرہ ذرہ کو مسلم بنانا اور اسلام کے پرچم کو بلند رکھنا انسان کو پاک کرنا اور انسانی آبادی پاکستان بنانا ہے ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہلیت و استعداد کو نہیں بلکہ کیڑے مکوڑے کی کثرت تعداد کو دیکھتا ہے گوبر پیشاب والوں کو پوترا اور اللہ کے پاک بندوں کو ملیچھ کہا جاتا ہے جن غداروں کو زمین پر قدم رکھنے کا حق نہیں، ان کو دیسی اور جن کے لئے زمین پیدا کی گئی ان کا بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے فلسطین میں ذلت کے ماروں اور بے مسکن آوارہ کو مسلمانوں کے سینہ پر کسا یا جا رہا ہے۔ کعبہ میں فریضۂ حج پر ایک ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جا رہا ہے انڈونیشیا کے مسلمانوں پر بے رحمی آزمائی جا رہی ہے اور بڑا غضب یہ ہے خواجہ اگر آپ کا پڑھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ ملت فروش دستار کے شملوں کو چوٹیوں پر، شلواروں کو دھوتیوں پر صرف چند ٹکوں کے لئے نچھاور کر چکے ہیں۔ بہروانیوں نے دوبارہ اپنا ایک نہرو بنا لیا، اب ایک جیپال نہیں بلکہ جیپالوں کی پلٹن ہو گئی ہے اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ والے مسلمان یعنی سنی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اے میرے خواجہ آپ کے وفاداروں نے آپ کے اللہ اور آپ کے رسول اور آپ کے اخوان اولیاء کے خلاف آوازے سنے تو نہ گستاخوں کے جبہ و دستار سے ڈرے اور نہ ریش کی آرائش سے مرعوب ہوئے اور صرف اس لئے ان کو چھوڑ دیا کہ بے ان کے چھوڑے اے خواجہ آپ کا دامن چھوٹا جاتا ہے جو کسی طرح قابل برداشت نہ تھا شاید ہماری یہی ایک نیکی کام آئی اور اس وفاداری پر خواجہ کو رحم آ گیا کیونکہ بلاشبہ ہندوستان میں یہ ولی الہند ہی کی کرامت ہے تاکہ ہمارے ان رہنماؤں کو بیداری بخشی جن کو رہنمائی کی مسند زبان وحی سے ملی ہے اب ان کی نظر ہماری کمزوریوں پر نہیں بلکہ اپنے بازوؤں کی قوت پر پڑنے لگی۔

وہ رہنما کون ہیں؟ ہمارے پیر ہمارے علماء اہلسنت و جماعت۔ سارے علماء مدرسوں سے باہر بھی آ کر کھڑے ہو گئے اور ارادہ کر لیا ۹ کروڑ سنیوں میں رو ٹھے ہوؤں کو منایا جائے۔ ان کو مبلغ بنا کر ذمہ داری دی جائے کہ مرنے سے پہلے فی کس دس نہیں تو ایک ایک غیر مسلم کو مسلمان کرنا ہے ان کو تعلیم دین سے آراستہ کر کے ان کے علم کو ان کے عمل کو ان کے اخلاق کو پاک کر دینا ہے تاکہ جہاں وہ قدم رکھیں پاکستان ہو جائے اب ایسے معلوم نا قابل برداشت میں جو سنیوں کے جیب پر ڈاکے ڈالیں

اور سنیوں کے مفاد سے لڑتے رہیں اور سنیوں میں انتشار پیدا کرلیں اب تمام سنی مدارس کو ایک نظام میں لاکر ان میں تعلیم و تربیت کی یکسانیت پیدا کرنی ہے، دارالافتاء دارالافتاسب کو مرکزی شان سے چلانا ہے خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے اور ان میں تبلیغ و تعلیم کی روح پھونکنی ہے۔ المشائخ کلھم کنفس واحدۃ کر کے دکھانا ہے ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔ یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جس کا نام آل انڈیا سنی کانفرنس یا جمہوریت اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد ۲۰ ہزار سے زیادہ ہے اور اسی کانفرنس کا آج خواجہ کی چوکھٹ پر جلسہ اپنے خواجہ کے حضور حلف وفاداری اٹھانے کا ہے میرے سنی بھائیو! اب ہم پر محبت ہمیشہ ختم ہوچکی اور اگر ہم ان رہنماؤں سے بچھڑ گئے تو میدان حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا ہمارے جگانے والے پکار رہے ہیں کہ سنیو جاگو جاگو، ہمارے ہوشیار کرنے والے آواز دے رہے ہیں کہ سنیو ہوشیار، خبردار۔ ہمیں ترقی دینے والا بلا رہے ہیں کہ آؤ بڑھے چلے آؤ۔

اے سنی بھائیو!! اے مصطفےٰ کے لشکر یو اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رو کو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی اب بحث کی لعنت چھوڑ دو۔ اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔ اٹھ پڑو کھڑے ہو جاؤ چلے چلو۔ ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سنیو سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔

حضرات! میں بار بار پاکستان کا نام لیا جائے اور آخر میں صاف کہہ دیا کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی مبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا اب رہا پاکستان کار سنیاں است، یہ ملک سے کسی سیاسی جماعت سے تصادم کے لئے نہیں کہا ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار بلا خوف لومۃ لائم کر دیا، اول تو مسلم لیگ کے سوا کوئی پارٹی ایسی نہیں ہے جو پاکستان کے ساتھ لفظی موافقت بھی رکھتی ہو، الکفر ملۃ واحدۃ سارے ناپاکوں نے اپنے اندر بیشمار اختلافات رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف آرائی کرلی ہے اور مسلم لیگ کا عقیدہ اس کو بنایا ہے اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے گا تو صرف سنی ہیں، پاکستان کے معنی اسلامی قرآنی آزاد حکومت ہے مسلم لیگ سے ہمارے سنی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت سید شاہ زین الحسنات صاحب سجادہ نشین مانکی شریف (سرحد) نے لکھوایا ہے اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا۔ اس کا دفتر کہاں رہے گا اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا۔ ان حقائق میں کیا اس دعوے کی روشنی موجود نہیں کہ پاکستان صرف سنیوں کو بنانا ہے۔

اہل سُنّت و جماعت کی دینی درسگاہ

دار العلوم فیضِ نبوی

بہترین توقعات کے ساتھ

کُل پاکستان سُنّی کانفرنس (ملتان)

کی تقریبِ سعید پر اپنے

تمام قائدین اور شرکاء کو مبارکباد پیش کرتا ہے؛

طلبہ کیلئے

حفظ، ناظرہ اور درس نظامی پڑھانے کا معقول انتظام ہے،

۱۰ شوال

سے داخلے جاری ہیں

منجانب

محمد وسایا الخطیب و اراکین

دار العلوم فیضِ نبوی — بکرا پیڑی — کراچی نمبر ۲

سید شجاعت علی قادری
مفتی اہلسنت کراچی

اسلامی ریاست کے ذرائع آمد

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام صرف زکوٰۃ اور عشر پر قائم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس دور میں ریاستی ذمہ داریاں اس معمولی آمدنی سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ در حقیقت ایسا نہیں ہے درج ذیل سطور میں پہلے تو میں زکوٰۃ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ پھر اسلامی ریاست کے تمام ذرائع آمد (MEANS OF INCOME) کو بیان کروں گا۔

زکوٰۃ:- زکوٰۃ ایک لحاظ سے عبادت ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے مال دار افراد پر معاشرے کے تہی دست افراد کی کفالت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ زکوٰۃ عربی زبان میں "پاکیزگی" اور "بڑھ جانے" کا مفہوم رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے تو اس کا ضمیر پاک ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کو مال و دولت سے پیار ہوتا ہے۔ مگر جب انسان اپنا محبوب مال جو اس نے بڑی تگ و دو سے حاصل کیا ہے۔ دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔ تو وہ بخل اور کنجوسی سے اپنے آپ کو اور اپنے قلب و ذہن کو پاک کر لیتا ہے۔ وہ جب ذات کی رذیل صفت سے پاک ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی ہے۔ وہ تمام کا تمام اسلام کی نگاہ میں نجس اور ناپاک ہوتا ہے لیکن جب اس میں سے اللہ کا مقررہ کردہ حق ادا کر دیا جاتے تو وہ مال پاک ہو جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے
خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا (توبہ آیت ۱۰۳) یعنی آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے کر انہیں پاک کریں وہ مال کس کام کا جس کی وجہ سے ہمارا رب ہم سے ناراض ہو جائے اور بری الذمہ ہو جائے۔ جب لوگ زکوٰۃ نہیں دیں گے تو معاشرہ کے

غریب بندی کی چکاری، لوٹ کھسوٹ اور اپنی عزت و کرامت کا سودا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اسلام جس طرح ان کاموں کو برا سمجھتا ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتا جو اللہ کے بندوں کو ذلت و خواری کے ان معیوب غاروں میں دھکیلنے کا باعث ہوتے ہیں۔ ایک روایت ہے:- [1]

ایما اہل عرصۃ اصبح فیہم امرؤ جائعا فقد برئت منہم ذمۃ اللہ۔

جب بستی میں کوئی شخص صبح کو بھوکا اٹھے گا اللہ اس بستی والوں سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ میں بڑھنے کا جو مفہوم ہے وہ بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے بخوبی پیدا ہوتا ہے۔ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے بڑھتا رہتا ہے۔ ایک مومن کے لئے اس کے رب جل وعلا کا اتنا ارشاد ہی کافی ہے:-

یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقت۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ جو مال بطور زکوٰۃ تقسیم کر دیا گیا اگرچہ وہ زکوٰۃ دینے والے کی جیب سے نکل گیا مگر درحقیقت وہ ایسے محفوظ بنک میں جمع ہو گیا ہے جہاں وہ تا قیامت بڑھتا رہے گا۔ اور شرح نفع دس گنا سے سات سو گنا تک ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد ممکن ہے۔ اللہ یضعف لمن یشاء۔ اور جو مال زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد باقی بچ رہا ہے وہ اب آفات و بلیات سے محفوظ ہو گیا ہے۔ نیز اللہ کی طرف سے اس میں برکتیں ہوتی ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ کا بڑھنے والا مفہوم یہاں موجود ہے۔ یہ تو خالص دینی اور مذہبی نقطۂ نگاہ ہے۔ اور اگر دنیاوی اعتبار سے دیکھئے تب بھی زکوٰۃ کی ادائیگی مال کے بڑھنے کا باعث ہے۔ کیونکہ معاشیات کی نگاہ میں ارتکاز دولت سے قوم کی مجموعی خوشحالی متاثر ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ کے ادا کرتے رہنے سے ارتکاز دولت ختم ہوتا ہے۔ ایک شخص کی دولت کئی ہاتھوں میں جاتی ہے اور مختلف مدات میں خرچ ہوتی ہے۔

زکوٰۃ اسلام کے اقتصادی نظام میں ایک اجتماعی ضمانت (Social Security) ہے جو سود کے اجتماعی نظام کا نعم البدل ہے۔ جس معاشرے میں زکوٰۃ باقاعدہ ادا ہوتی ہو اس میں فقراء، مساکین، مقروض، مسافر، یتیم، مجاہد سب ہی مطمئن رہتے ہیں نیز امراء و اغنیاء کو بھی خطرہ نہیں رہتا، کہ ہمارا مال ختم ہو گیا تو پھر کیا ہو گا۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ جس طرح ہم نے دوسروں کا تعاون کیا تھا اسی طرح دوسرے ہمارا تعاون کریں گے۔ مگر ان تمام باتوں پر ان لوگوں کی طرف سے یقین کی امید فضول ہے۔ جنہوں نے سودی نظام میں

---

[1] مسند احمد [illegible] ۴۸

انجیلیں لکھوائیں۔ اس کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس کو پھلتے پھولتے دیکھا۔ قرآن میں لفظ "زکوٰۃ" مدح اور تعریف کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً اس آیت میں "فلا تزکوا انفسکم" یعنی خودستائی نہ کرو۔ یہ مفہوم بھی زکوٰۃ میں موجود ہے۔ کیوں کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی اللہ نے قرآن میں مدح فرمائی ہے۔

زکوٰۃ چوں کہ عبادت بھی ہے۔ اور عبادت کے لئے اسلام شرط ہے اس لئے وہ غیر مسلم باشندوں سے وصول نہیں کی جائے گی۔ ان سے "جزیہ" لیا جائے گا جو حکومت اپنی صوابدید پر مقرر کرے گی۔

زکوٰۃ فرائض اجباریہ ہے

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے زکوٰۃ امیر لوگوں کا غریبوں پر احسان ہے اور اس طرح غریب لوگ جو کچھ وصول کر رہے ہیں وہ ان کے لئے باعث ذلت ہے۔ درحقیقت بات یہ نہیں ہے۔ یہ جو غرباء ہیں کیا خود اپنے اختیار سے غریب ہوئے ہیں؟ کیا اپنی خواہش اور چاہت سے اس منزل پر پہنچے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ روزی تو مقدرات الٰہیہ سے ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے امارت اور فقر کا امتیاز پیدا کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ "واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق" اور اللہ نے تم کو رزق میں ایک دوسرے سے برتری عطا کی ہے۔ پس جس خدا نے فقیروں اور مسکینوں کو پیدا کیا ہے۔ اسی نے ان کے لئے امیروں کے مال میں حق متعین کر دیا ہے۔ فرمایا:۔ وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم (معارج ۲۴، ۲۵) اور ان کے مالوں میں متعین حق ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کا۔

کیا آپ نے کبھی احسان دیکھا ہے جس کی وصولیابی جبری ہو۔ اور نہ دینے والوں سے طاقت کے ذریعہ نمٹا جائے؟ زکوٰۃ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمع فرماتے اور اپنے حکام کو جمع کرنے کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جن لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا ان سے قتال پر سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا اور اس قتال میں حصہ لیا۔

یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ یورپ میں اور ایشیاء میں فقراء اور غرباء نے اپنے حقوق کے لئے مختلف اوقات میں جدوجہد کی ہے اور ان کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ مگر حکومت کی سطح پر کبھی جدوجہد نہیں ہوئی۔ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ جب کچھ شقی القلب لوگوں نے

غریبوں کو ان کا وہ حق دینے سے انکار کر دیا جو اللہ نے ان کے لئے معین کر دیا تھا۔ تو خلیفہ وقت اور اس کے ساتھی اس حق کو دلانے کے لئے خود اٹھ کھڑے ہوئے اور حکومتی سطح پر اسے لوگوں سے جنگ کی گئی جو غریبوں کے حق مارے بیٹھے تھے۔ یہ جنگ طبقاتی نہ تھی کہ ایک طرف امیر ہوں اور دوسری طرف غریب۔ بلکہ یہ حق و انصاف کی خاطر جہاد تھا جس میں مظلوم کا حق دلانے کے لئے خود حکومت نے کارروائی کی۔ یہ کمیونسٹ پروپیگنڈا ہے کہ زکوٰۃ لینے والے ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوتے ہیں اور دینے والے فخر و تکبر میں۔ یہ اس وقت ٹھیک تھا جب کہ زکوٰۃ محض ایک احسان کی حیثیت رکھتی۔ مگر ہم واضح کر آئے ہیں کہ زکوٰۃ کی یہ حیثیت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ وصولیابی اور پھر اس کی تقسیم حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے۔ اور بیت المال جو ایک قسم کی وزارت مال ہے اس لئے قائم کیا جاتا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے پہلی مرتبہ ریاست کو کفالت عامہ کا ذمہ دار قرار دیا۔ اگرچہ دنیا سینکڑوں تجربات کے بعد اب کفالت عامہ کے اس نظام کی معترف ہو گئی ہے جو اسلام نے ساڑھے چودہ سو سال قبل پیش کیا تھا۔

اگر حکومت اسلامی نہ ہو تب بھی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ از خود زکوٰۃ کے اس اجتماعی نظام کو برقرار رکھیں۔ اور مستحقین میں اسی کو تقسیم کریں۔ پاکستان، ہندوستان اور دوسرے ایسے ممالک جہاں حکومتیں زکوٰۃ وصول نہیں کرتی ہیں۔ وہاں مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں زکوٰۃ جمع کرتی ہیں اور اس سے بہت سے فلاحی کام سر انجام پاتے ہیں۔ جتنے بھی فلاحی ادارے ہیں انہیں سے اکثر مسلمانوں نے اسی طرح قائم کئے ہیں۔ جب تک حکومت دیانت دار مسلمانوں پر مشتمل نہ ہو اس وقت تک حکومت کے زکوٰۃ جمع کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ بلکہ جو کچھ فلاحی کام ہو رہے ہیں وہ دفتری کارروائیوں اور سرخ فیتہ کی نذر ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ہم سب کا مشاہدہ ہے۔ کہ اس قسم کے کاموں میں خوف خدا نہ رکھنے والے دین سے بے بہرہ افسران کو بڑی بڑی تنخواہوں پر متعین کیا جاتا ہے۔ پھر اس مد کا ایک بڑا حصہ ان لوگوں کی تنخواہوں اور دفتری ضروریات پر ہی صرف ہو جاتا ہے اور وہ مقصد جس کے لئے زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ فوت ہو جاتا ہے۔

یہ درست ہے کہ رفاہی اداروں کے ملازمین کو بھی تنخواہیں دی جاتی ہیں مگر وہ اتنی قلیل ہوتی ہیں کہ ان کا سرکاری دفاتر کی تنخواہوں سے کچھ تناسب ہی قائم نہیں ہوتا۔ اور یہ صرف دینی جذبہ ہوتا ہے جس کے تحت یہ کارکن لگن سے شب و روز کام کرتے ہیں۔

پھر مسلمانوں میں مختلف مسلک رکھنے والے لوگ ہیں۔ ہر مسلک کے لوگ یہ خواہش رکھتے ہیں

کہ ان کی زکوٰۃ انہی کے اداروں پر صرف ہو۔ اور یہ ان کا جائز حق ہے۔ اگر کوئی حکومت زکوٰۃ جمع کرتی ہے تو جب تک وہ انتہائی دیانتدار نہ ہو نہ تو زکوٰۃ دہندگان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتی ہے اور نہ ان فلاحی اداروں کو برقرار رکھ سکتی ہے، جو چل رہے ہوں۔ اس لئے زکوٰۃ جمع کرنے کا کام اسی وقت ہونا چاہیئے جب تمام مسلمان حقیقۃً کسی حکومت کو تسلیم کریں۔ اور انہی دینی و فلاحی اداروں کے چلتے رہنے کا یقین حاصل ہو جائے۔ اور جب ایسی اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو اسے اصحاب نصاب سے زکوٰۃ وصول کرنے اور نہ دینے والوں پر جبر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف تو حکومت سودی نظام جاری رکھکر اللہ اور اس کے رسول سے کھلم کھلا جنگ کر رہی ہو اور دوسری طرف مسلمانوں سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرتی ہو؟

ہم آئندہ قسط میں انشاءاللہ نصاب زکوٰۃ، مقدار زکوٰۃ، اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسری مدات پر روشنی ڈالیں گے۔ جن پر اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام قائم ہوتا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں جو شکوک و شبہات ہیں ان کا بھی رد کریں گے ؛

الحمدللہ سواد اعظم ایک مرتبہ پھر اپنے مرکزیت کی طرف آ رہا ہے اور یہ امر پوری امت کے لئے باعث برکت ہے۔ فتنے زمانہ اغیار کی ریشہ دوانیوں اور سواد اعظم کے حقوق کی پامالی کا تدارک اس لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ امت محمدیہ کو باطل عقائد سے نجات دلائی جائے۔ اور ملک میں نظام مصطفےٰ قائم کیا جائے سُنّی کانفرنس نظام مصطفےٰ کے قیام کی جانب ایک راست اقدام ہے اور انشاءاللہ ہم جلد اپنی منزل پا لیں گے۔

چائنا سینٹر
کل پاکستان سنّی کانفرنس ملتان
کے مبارک موقع پر ہم اپنی اور ــــــ احباب کی جانب سے
علمآ، مشائخ، عوام اہل سنّت
کو ھدیہ تبریک پیش کرتے ھیں
چائنا سینٹر
معیاری اور عمدہ پارچہ جات کا مرکز
بنارسی، زردوزی، ہلمہ ستارہ کے سوٹ اور ساڑیاں، کریم، اقبال ایچ، ایم ملز کی جدید
ترین ورائٹی کے لیے تشریف لائیں، اور اپنے احباب کو بھی ہمراہ لائیں۔
۲۵، ۲۷، ۲۹۔ نور کلاتھ مارکیٹ ایم اے جناح روڈ، کراچی

مولانا ابوالابرار محمد انوار المصطفیٰ قادری

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

مصنف: "بہارِ شریعت"

ماہ ذی قعدہ حضرت صدر الشریعت علیہ الرحمۃ کا ماہ وصال ہے اسکی ذوقعدہ تاریخ کو آپ نے دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرمائی۔ دنیائے سینت میں آپکا مقام بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔

علوم ظاہری میں مجاہد اسلام امام العصر حضرت علامہ شاہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپکے دادا استاد ہیں فن حدیث و رجال کے ذخائر آپنے علامہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے جمع کئے۔ احادیث کی تکمیل کے بعد آپنے آبائی پیشہ فن طب میں تکمیل فرمائی۔

صدر الشریعہ دربار اعلحضرت میں

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے استاد مکرم حضرت وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے ایک مدرس کی حیثیت سے آپکو اعلحضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ اعلحضرت علیہ الرحمۃ نے اس خدمت کے لیے آپکو بہت پسند فرمایا حضور صدر الشریعۃ نے اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے بعد ازاں خلافت سے نوازے گئے۔ اعلحضرت رضی اللہ عنہ سے ظاہری اور باطنی فیضان کا بہت وافر حصہ آپ نے حاصل کیا۔ تقریباً اٹھارہ سال تک اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ آپ نے ذکر و اشغال اور تکمیل مدارج سلوک و معرفت میں گذارے شیخ الوقت کی مخصوص نظر تھی کہ اس نے اپنے طالب صادق کو فضل و کمال کا جامع اور اپنی بزم راز و نیاز کا ندیم خاص بنا دیا۔

حضرت صدر الشریعت علیہ الرحمۃ نے اعلحضرت علیہ الرحمۃ سے کوئی کتاب سبقاً نہیں پڑھی لیکن فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ ہے۔ سب آپ ہی کا فیض کرم ہے۔

ابتداءً بریلی شریف میں آپنے درس و تدریس کا کام شروع کیا اسکے بعد مطبع اہلسنت کو ایک مستعد ناظم و مہتمم کی ضرورت پڑی۔ تو اعلحضرت علیہ الرحمۃ نے یہ کام بھی حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے سپرد کیا چنانچہ اعلحضرت

کی پوری حیات طیبہ آپ اس کام کو بھی انجام دیتے رہے اور بعد وصال بھی یہ کام ۱۹۳۲ء میں اسوقت چھوڑا جب آپ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کی صدر مدرسی کے لیے اجمیر شریف روانہ ہوئے۔ بریلی شریف کے واقعات بیان فرماتے ہوئے کئی دفعہ فرمایا کہ صبح نماز فجر سے رات کے بارہ بجے تک اور کبھی ایک بجے تک مسلسل کام ہوا کرتا تھا۔ صبح سویرے مدرسہ کا کام دوپہر کو پریس کی نگرانی پارسلوں کی روانگی اور کاپیوں کی تصحیح پریس مینوں کو ہدایات وغیرہ بعد نماز ظہر عصر تک تدریس بعد عصر تا مغرب اعلیٰحضرت کے یہاں سوالوں کے جوابات تحریر فرماتے بعد مغرب کھانا تناول فرما کر عشا تک مطالعہ فرماتے اور عشا کے بعد پھر بارہ ایک بجے تک پریس کا کام کرتے تھے۔ غرضیکہ اس زمانہ میں کام اتنا کرتے تھے کہ معاصرین و مشاہدین کا بیان ہے۔ کہ مولینا امجد علی صاحب کام کی مشین ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تمام فرق باطلہ کے رد میں تقریباً روزانہ نئے رسائل و اشتہارات اور پرچے شائع ہوتے اور پورے ہندوستان اور بیرون ملک روانہ کئے جاتے تھے۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کا ترجمہ قرآن بھی حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں منظر عام پر آیا حضرت خیال تو فرماتے تھے لیکن بعض دیگر مصروفیات کے سبب اس میں تاخیر ہو جاتی ایک دن حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ قلم دوات اور کاغذ لیکر اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی کہ حضور ترجمہ شروع ہو جائے چنانچہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ ترجمہ کا طریقہ شروع میں یہ تھا کہ ایک آیت کا ترجمہ ہوتا اس کے بعد اس کی مطابقت تفاسیر سے دیکھتے اور سب لوگ حیران ہو جاتے کہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے ایسا برجستہ اور مناسب ترجمہ جو تمام تفسیروں کے مطابق یا اکثر و بیشتر کے مطابق ہے کس طرح ہوتا ہے۔ دراصل یہ خدا کے فضل و احسان اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ و انعام ہی تھا۔ ترجمہ کا یہ طریق کار تاخیر کا سبب بنا تو اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں ایک رکوع کا ترجمہ مکمل کرتا ہوں اس کے بعد آپ لوگ تمام تفسیروں سے اسکی مطابقت تلاش کریں ترجمہ اور تفاسیر کا مطالعہ بہت زیادہ رہا کرتا تھا۔ اسی لیے حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کسی بھی دن رات ۱۲ بجے سے قبل گھر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ غرضیکہ حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کی یہ بڑی کامیابی تھی۔ کہ اعلیٰحضرت سے پورے قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کرا لیا۔ جو آج اردو کے موجودہ تراجم میں کوئی بھی ترجمہ کسی بھی حیثیت سے اسکا ہم پلہ نہیں۔

خدمت تدریس خدمت تدریس حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کا بہت بڑا مشغلہ تھا۔ اور ابتداء سے لے کر آخر عمر تک یہ کام کبھی نہ چھوڑا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ حضرت صدر الشریعۃ اسی کام کے لیے پیدا کیئے گئے تھے۔

اجمیر شریف۔ بریلی شریف۔ دادوں ضلع علیگڑھ کی مرکزی اور معیاری درسگاہوں کی مسند صدارت سے برسوں اپنے علم و فضل کے خزانے تقسیم کیے اور اسی دوران ایسے ایسے افراد تیار کیے جو آج سرزمین پاک و ہند میں چوٹی کے علماء شمار کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیے یا تو حضرت صدر

الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے شاگرد یا انکے شاگردوں کے شاگرد تدریس و افتاء کی خدمات میں مشغول نظر آئیں گے۔ اور ان کے تدریسی فیض کا سلسلہ اتنا دراز ہو چکا ہے۔ کہ قیامت کی صبح تک اس کا تسلسل ختم نہیں ہو سکتا۔

تدریس کی یہ خصوصیات تھی کہ ہر علم و فن کو یکساں طور پر پڑھاتے تھے۔ آپکے کسی سبق میں کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا تھا۔ کہ آپ اس فن میں مہارت اور اس علم میں ید طولیٰ حاصل نہیں آپکے درس میں ہندی۔ پنجابی۔ سندھی۔ ملاسی۔ بلخی۔ سمرقندی۔ افغانی۔ ترکی۔ ایرانی۔ افریقی۔ عربی بھی نے حاضر ہو کر استفادہ حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر علاقہ میں آپکے کثیر تلامذہ پائے جاتے ہیں۔

مشاہیر تلامذہ

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے ہزارہا تلامذہ ہیں لیکن چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث و بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد۔ (پنجاب) پاکستان۔

محدث اعظم ہند حافظ الملت مولانا حافظ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث و بانی اشرفیہ یونیورسٹی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (بھارت)

ملک العلماء حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بھارت)

محدث کبیر حضرت علامہ الشاہ محمد عبدالمصطفےٰ الازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی (و سابق ممبر قومی اسمبلی)

شیر بیشۂ اہلسنت مناظر اسلام مولانا علامہ حشمت علیخان صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیلی بھیت (بھارت)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی اعجاز ولی خانصاحب علیہ الرحمۃ (لاہور) پاکستان۔

مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمان صاحب صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت (بھارت)

خطیب اعظم ہند مولانا عبدالمصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث ٹانڈہ (بھارت)

فاضل اجل حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ (بھارت)

مفتی سندھ حضرت مولانا مفتی خلیل احمد خان صاحب برکاتی شیخ الحدیث حیدرآباد سندھ

مفتی اعظم مشرقی پاکستان حضرت مولانا مفتی وقار الدین نائب شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی

حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب انڈیا بھارت

تصانیف

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کی مشہور تصنیف اور عظیم الشان یادگار "بہار شریعت" ہے جسکے سترہ حصے اہل سنت و جماعت میں متداول ہیں۔ یہ عظیم کتاب دراصل دائرۃ المعارف "انسائیکلو پیڈیا" ہے رمضان المبارک خصوصاً اعتکاف کی حالت میں حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کی مشغولیت بہار شریعت کی تصنیف تھی۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ میں آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی۔ اور بینائی کم ہو گئی جس کی وجہ سے تصنیف کا کام ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بہار شریعت ایسی جامع کتاب ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو جو اس کتاب میں نہ ملے عالم و مفتی اور عام لوگوں کے لیے یکساں مفید ہے فقہی مسائل اور اسکی جزئیات جس طرح بہار شریعت میں بیان کی گئی ہیں۔ روئے زمین پر اُردو زبان میں اس کی مثل کوئی کتاب نہیں ہے۔

بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے سنے ہوئے ہیں۔ اور اس پر اعلیٰحضرت کی تقریظات بھی تحریر ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے حضرت صدر الشریعہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلیٰ مولانا ابو العلیٰ مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی با لمذہب والمشرب والسکنیٰ رزقہ اللہ فی الدارین الحسنیٰ۔

آپکی دوسری تصنیف آپ کے فتاویٰ ہیں جو اکناف واطراف ہندوستان سے آیا کرتے تھے یہ بھی بڑے پایہ کی تصنیف ہے۔ جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ تیسری بڑی تصنیف حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار (امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی سنہ ۳۲۱ھ علیہ الرحمۃ کا حاشیہ ہے یہ حاشیہ عربی میں ہے اور اس کا کام آپ نے ۱۳۶۲ھ میں تقریباً سات ماہ تک کیا جلد اول کا نصف بقصد محشی ہو چکا ہے جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے (۴۰۵) ہے اور ہر صفحہ ۳۴ سطروں پر مشتمل ہے اس سے حضرت کی تبحر علمی اور زود نویسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ محض سات مہینوں میں چار سو صفحات لکھے۔

جذبۂ دینی اور ذوق علمی:-

آپکے جذبہ دینی اور ذوق علمی کا یہ عالم تھا کہ آپنے اپنی تمام اولاد کو علم دین سے بہرہ ور فرمایا صاحبزادگان کے علاوہ اپنی صاحبزادیوں کو بھی علم دین پڑھایا چنانچہ اپنی ایک صاحبزادی صاحبہ کو مشکوٰۃ جلالین تک پڑھایا فرماتے تھے۔ کہ زندگی رہی تو اس بچی کو بخاری و مسلم تک پڑھاؤں گا لیکن تفسیر جلالین پڑھانے کے زمانہ ہی میں آپکا وصال ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ آپ کے صاحبزادگان میں مولانا علامہ حکیم شمس الہدیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور انہوں نے عبد الرحیم گنگوہی اور مولوی منظور نعمانی دیوبندی سے مناظرہ بھی کیا اور انھیں آپ نے شکست فاش دی اور دیوبندی راہ فرار اختیار کر گئے ان کا وصال حضرت صدر الشریعہ کی موجودگی میں ہوا۔ دوسرے صاحبزادے حضرت علامہ مولانا محمد یحییٰ علیہ الرحمۃ تھے بڑے عالم و فاضل تھے اور حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے ہم سبق تھے۔ ان کا وصال بھی حضرت صدر الشریعہ کی حیات طیبہ میں ہوا تیسرے صاحبزادہ حضرت علامہ عطاء المصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بھی حضرت کے سامنے ہوا۔ اس وقت حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے اور راقم الحروف کے والد محترم علامۃ الدہر شیخ الحدیث والتفسیر علامہ عبد المصطفیٰ صاحب ازہری (فاضل جامع ازہر مصر سابق ممبر قومی اسمبلی) جنہیں حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ نے تمام فنون کی کتابیں مکمل کرانے کے بعد (اس وقت علامہ ازہری کی عمر ۱۸ سال تھی) جامع الازہر یونیورسٹی مصر۔ تمام علوم میں تخصص کے لیے بھیجا

چنانچہ علامہ ازہری نے الازہر یونیورسٹی میں اسوقت ۱۸ فنون میں تکمیل کی اور الشہادۃ العالیہ کی دو سندیں حاصل کیں۔ اسوقت حضرت علامہ دارالعلوم امجدیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ اور تقریباً ۲۲ سال سے علم حدیث سے تشنگان علم حدیث کو سیراب کر رہے ہیں۔ ہندوستان و پاکستان میں آپکے ہزاروں تلامذہ مدرس ہیں اور ہر میدان میں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ایک اور صاحبزادہ حضرت مولانا قاری رضا المصطفےٰ صاحب اعظمی جامع مسجد میمن کراچی کے خطیب اعظم ہیں۔ اور ورلڈ اسلامک مشن پاکستان شاخ کے سربراہ ہیں اور مکتبہ رضویہ کراچی سے علماء اہلسنت کی تصانیف شائع کر رہے ہیں ایک اور صاحبزادہ حضرت علامہ مولانا ضیاء المصطفےٰ صاحب شیخ الحدیث ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی اشرفیہ یونیورسٹی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے شیخ الحدیث ہیں دیگر صاحبزادگان میں مولانا ثناء المصطفےٰ مولانا بہاء المصطفےٰ مولانا فداء المصطفےٰ ہندوستان میں تدریسی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کا یہ بہت بڑا فیضان ہے کہ آپکے شہر میں علماء اہلسنت اور تلامیذ صدر الشریعۃ اتنے کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ کسی اور شہر میں علماء کرام کی اتنی تعداد نہیں مل سکتی۔

تقریر اور جوشِ تبلیغ

آپکی تقریر نہایت جامع اور قرآن و حدیث اور تفسیر پر مشتمل ہوتی تھی مراد آباد (بھارت) میں برصغیر پاک و ہند کے علماء کرام ایک عظیم الشان جلسہ عام میں جمع تھے۔ حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ نے آیت محمد رسول اللہ پر تقریر فرمائی تقریر ایسی جامع اور پر اثر تھی کہ حضرت محدث اعظم ہند نے اپنا وقت بھی حضرت کو دیدیا۔ تقریر کے دوران حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے بھی اپنا وقت حضرت کو دے دیا۔ آخر میں صدر جلسہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے بھی اپنا وقت حضرت صدر الشریعہ کو دیدیا چنانچہ حضرت صدر الشریعہ نے اس جلسہ میں پانچ گھنٹہ آیت مذکورہ پر ایسی جامع اور پر اثر تقریر فرمائی جس سے علماء کرام اور حاضرین پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ بدمذہبوں سے مناظرہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار مولوی اشرف علی تھانوی کے مقابلہ کے لیے آپ بریلی تشریف لے گئے مگر مولوی اشرف علی تھانوی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوسکی اور وہاں سے فرار ہوگیا۔

سیدنا اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ آپکے لیے فرماتے ہیں ؎

"میرا امجد مجد کا پکا"
اس سے بہت کچھ لیتے یہ ہیں۔

مدینہ کا مسافر

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ نے یکبار زمانہ تدریس میں حج کیا دوسرا حج ۲۰ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۴۸ء کو ہزاروں مشتاق

کے ہجوم میں اسٹیشن پر پہنچے نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسوقت حضور صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ پر مکمل استغراق طاری تھا جب سکون ہوا تو مجمع عام سے خطاب فرمایا [illegible] کوئی آنکھ ایسی نہ تھی، جو وارفتگی شوق اور فرط اثر سے اشکبار نہو، صلوٰۃ و سلام پر جب ختم ہوا تو حاضرین سے فرمایا کہ حقوق العباد میں مجھ سے کوئی فرد گذاشت ہوئی ہو تو آپ لوگ مجھے معاف کریں تاکہ قیامت کے روز معاملہ صاف رہے یہ سُن کر لوگ چیخیں مار کر رونے لگے اس کے بعد آپ نے فرمایا فقیر کے حقوق جن پر ہوں میں نے سب کو معاف کر دیا۔ اللہ معاف کرے۔ بعد ازاں خدام کے ہمراہ ٹرین پر سوار ہوئے یہاں سے بمبئی تک ہر اسٹیشن پر مریدین و معتقدین حاضر ہوتے رہے۔ اور ملاقات کرتے رہے راستہ ہی میں نمونیہ کا عارضہ ہوا ۲ ستمبر بروز جمعہ بمبئی کے ڈاکٹروں نے نمونیہ تشخیص کیا ۲ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ آپکا وصال عین اسوقت ہوا جب بمبئی کی بندرگاہ سے جہاز نے اپنی روانگی کا سگنل دیا، اور حضرت کی روح اپنے مالک حقیقی سے جا ملی (اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون) آپ کے وصال کی خبر ہندوستان کے کونے کونے میں آناً فاناً پہنچ گئی۔ ہندوستان بھر میں صف ماتم بچھ گیا، کونے کونے سے مریدین و معتقدین آپ کے شہر گھوسی شریف پہنچنا شروع ہوگئے علماء کرام و مشائخ عظام عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے لیے پہنچ رہے تھے۔ کرنیں پالی مارواڑ جودھپور کے مریدین اسپیشل ٹرین لیکر گھوسی شریف پہنچے شہر میں ایک کہرام تھا جسکو دیکھو اسٹیشن کی طرف جا رہا ہے اسٹیشن اور اسٹیشن روڈ اور ملحقہ میدان آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ لاکھوں افراد کا ہجوم تھا۔ تابوت گھر لایا گیا تابوت کھولا گیا۔ تو پورا ماحول خوشبو سے معطر ہو گیا۔ اس وقت راقم الحروف نے حضرت کے چہرۂ مبارک کی زیارت کی مسکراتا ہوا چہرہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت کچھ کلام فرمانے والے ہیں۔

آج بھی آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق عام و خاص ہے۔ ۲ ذی قعدہ کو ہند و پاک کے متعدد شہروں میں دھوم دھام سے آپکا عرس منایا جاتا ہے جس میں علماء کرام و مشائخ عظام شرکت فرماتے ہیں۔

لیس من اللہ بمستنکر - ان یجمع العالم فی واحد

مدینہ کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں

پیغام

ابرار احمد رحمانی

رکن مجلس استقبالیہ کل پاکستان سنی کانفرنس

کل پاکستان سنی کانفرنس وقت کی اہم ضرورت ہے۔
اس تاریخی کانفرنس سے سوادِ اعظم اہلسنت کو
شرکت ملت کے استحکام کی ضامن ہوگی۔

ملتان چلو، ملتان چلو!

سگِ دربارِ نبی سکندر لکھنوی

اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

اے دینِ مبیں کے دیوانو! ملتان چلو، ملتان چلو

اس ملک کے گوشے گوشے سے آئیں گے لکھوکھا پیر و جواں

تم سب بھی چلو اور ہم بھی چلیں دیکھیں تو وہاں کی عظمت و شاں

اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

اس بزم میں شرکت کر کے ہمیں ماضی کا سبق دہرانا ہے

ہم لوگ سوادِ اعظم ہیں، دنیا کو یہی سمجھانا ہے

اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

ہم کون ہیں؟ کیا ہیں! دنیا کو یہ اپنے عمل سے دکھلا دیں

اس بزم کی شان و شوکت سے دشمن کے دلوں کو دہلا دیں

اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

بیدار بصیرت والوں نے، سوتے سے جگایا ہے ہم کو

یہ وقت جہادِ اصغر ہے، پیغام سنایا ہے ہم کو

اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

اک آلِ نبی، اولادِ علی، ثانیٔ غزالی و رازی ہے

علامہ سعید احمد قبلہ اس بزم کے ہیں صدر و بانی

اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

یہ وقت نہیں ہے غفلت کا یہ راز بتایا ہے ہم کو
ملّت کے غزالیِ دوراں نے ملتاں میں بلایا ہے ہم کو
اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

ہم فخرِ سوادِ اعظم ہیں، پیروئے امامِ اعظم ہیں
ہم خواجۂ سنجر کے شیدا ہم بردۂ غوثِ اعظم ہیں
اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

خدّامِ نبی ملتاں جاکر پھر شانِ غلامی دکھلادیں
آئینِ قرآن و سنّت کو اس ملک میں نافذ کروادیں
اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

اسلام کا جس دل میں گھر ہے جس قلب میں عشق سرور ہے
ہر حال میں وہ سب جائیں گے یہ بات سکندر ظاہر ہے
اے حسنِ نبی کے پروانو! ملتان چلو، ملتان چلو

قطعہ

خداوندا تری قدرت کے صدقے، کرم ہم پر بھی بہرِ مصطفےٰ کر
غلامیِ محمد مصطفےٰ میں ہمیں ثابت قدم رکھ باوفا کر

ترے بندے جو ناواقف ہیں ان کو مقامِ مصطفےٰ سے آشنا کر
ہمارے ملک میں فی الفور یارب نظامِ مصطفےٰ کامل عطا کر

(سگِ دربارِ نبی سکندر لکھنوی)

مولانا جمیل احمد نعیمی
ناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ کراچی

۱۹۷۰ء کراچی سُنّی کانفرنس

تقاریر کی روشنی میں

کراچی کی تاریخ میں ۸۔۹۔ اگست ۱۹۷۰ء سنہری حروف سے لکھا جائے گا جب کہ اس ملک کی عظیم اکثریت اہل سنت نے کراچی کے نشتر پارک میں جمع ہو کر سنی کانفرنس کے علماء و مشائخ کی بصیرت افروز تقاریر اور ان کا پروگرام سنا گویا عوام اہل سنت کے دل کی ترجمانی ہو رہی تھی۔ اور پنڈال نعرہائے تکبیر و رسالت سے گونج رہا تھا عوام ہزاروں کا مجمع اور سنکڑوں علماء و مشائخ کا اژدہام عجیب روح پرور کیفیت اور منظر پیش کر رہا تھا۔

آیئے کہ اس دو روزہ کانفرنس میں خطاب فرمانے والے علماء و مشائخ کی پرشکوہ تقاریر کا حاصل اور خلاصہ پیش کر دیا جائے تاکہ وہ نورانی اور ولولہ انگیز تقاریر صفحہ قرطاس پر بھی محفوظ ہو جائیں جس طرح وہ دل کے آئینہ میں جلوہ گر ہیں۔

تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جمعیۃ العلماء پاکستان صوبہ سندھ اور جماعت اہل سنت کے ناظم اعلیٰ مولانا سید سعادت علی قادری نے اپنا تاریخی اور پُرمغز خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر تشریف لانے والے معزز مقرر اور شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ

حضرتِ علامہ ازہری صاحب صدر مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان جنہوں نے نعروں کی گونج میں اپنے خطاب کا یوں آغاز فرمایا کہ آج کی یہ سنی کانفرنس اس ملک کے عظیم عوام اہل سنت کی یادگار تاریخی کانفرنس ہے۔ آج کا یہ عظیم جم غفیر سنیت کی تاریخ میں ایک عظیم باب کے اضافہ کا موجب ہوا ہے۔ اہل سنت عوام کی کوئی باقاعدہ تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے پراگندہ اور منتشر تھے مگر ۱۹۶۶ء میں جماعت اہل سنت کے قیام نے ان کے دل میں مسرت کی لہر دوڑا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تنظیم عوام اہل سنت کے دل کی آواز بن گئی اور آج اس عظیم اجتماع میں بے شمار عوام اور ہزاروں علماء و مشائخ نے

جمع ہو کر اس بات پر مہر ثبت فرما دی کہ " ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی "

آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارے اتحاد اور تنظیم کو دیکھ کر بعض جماعتیں بوکھلا گئیں اور ہم پر فرقہ واریت کا الزام عائد کرنے لگیں حالانکہ قیام پاکستان کے سلسلہ میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء میں جب ملک کے علماء اور مشائخ اہل سنت نے جمع ہو کر پاکستان کا نعرہ لگایا تھا تو کسی نے بھی ایسی بات نہیں کہی۔ لہٰذا جس طرح قیام پاکستان کے لئے علماء اہل سنت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اسی طرح آج بھی جبکہ بقاءِ پاکستان کا معاملہ آ گیا ہے ہم نے کانفرنس میں نظریہ پاکستان یعنی اسلام کی حفاظت کے لئے یہ کانفرنس کی تو یہ الزام کتنا بر خود غلط ہے کہ ہم فرقہ واریت پیدا کر رہے ہیں حالانکہ اسی ملک میں گذشتہ دس بیس سال سے بعض نے پولٹیکل فرنٹ اور بعض نے جمعیت اہلحدیث کے نام سے مختلف تنظیمیں قائم کیں اور ان کے تحت کانفرنسیں اجلاس، جلسے وغیرہ کئے تو اس وقت مخالفین کو فرقہ واریت کا شہتیر نظر نہیں آیا۔ آپ نے آگے چل کر فرمایا کہ ہم اس ملک کی عظیم اکثریت اہل سنت کو منظم کر رہے ہیں اور ہم کو اس کا پورا حق حاصل ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جو جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں وہ صرف روٹی، کپڑا اور مکان کے لئے نہ تھیں بلکہ اس ملک پاکستان کو اسلام کا محافظ اور حصار سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ ہم اسلام کی عظیم الشان روایتوں کو اجاگر کریں گے مگر افسوس کہ ان سیاسی بازی گروں نے پاکستان کے معماروں اور جھونپڑیوں اور جگیوں میں دھکیل کر خود مسند اقتدار سے چمٹ گئے اور عالی شان محلات میں داد عیش دیتے رہے اسلام کو پس پشت ڈالا اور اپنی تجوریوں کو بھرتے رہے۔ غریبوں کا خون چوستے رہے شرابیں اڑاتے رہے عوام کو اسلام کا نام لے کر دھوکہ دیتے رہے اور نہ صرف خود بلکہ اس ملک کو بھی لادینی نظریات کا اڈہ بنانے کی فکر کرتے رہے۔ ملک کو معاشی اعتبار سے دیوالیہ بنا کر اپنا بینک بیلنس بڑھاتے رہے لیکن اب ان سیاسی شعبدہ بازوں کو ہوشیار ہو جانا چاہئے اسلام عوام ان داغدار کردار کے حامل لیڈروں سے جواب طلب کریں گے اور ان کو پچھلی تمام کارگزاریوں کی رو نداد عوام کی عدالت میں پیش کرنا ہوگی۔ آج کے سیاستدان بوسیدہ عمارات اور کھنڈر ہیں۔ ان پر اس ملک کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس سوشلزم نے ان کے مظالم کی وجہ سے سر اٹھایا ہے اب نہ وہ فتنہ جگانے والے رہے اور نہ وہ فتنہ اس اسلامی مملکت میں باقی رکھا جائے گا۔ بلکہ جہاں سے آیا ہے وہیں " بیک بینی و دو گوش " برآمد کر دیا جائے گا۔

آپ نے آخر میں فرمایا کہ ہم سب میدان میں نکل آئے ہیں تاکہ اس ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے مل کر جد و جہد کریں اور اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں جب تک اسلامی نظام کا

خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو۔ یہ کانفرنس اسی سلسلہ کی کڑی ہے کہ ہم عوام کے سامنے اپنا منشور اور پروگرام رکھیں تاکہ اس ملک کی عظیم اکثریت اہل سنت اپنی پسند کے دیندار علماء و مشائخ کو کتاب و سنت کے مطابق قانون و آئین مرتب کرنے کے لئے منتخب کرے۔ ہماری یہ عظیم اکثریت اگرچہ غریبوں اور ناداروں پر مشتمل ہے مگر اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب فرمائے گا۔

سب سے آخر میں آپ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس عظیم کانفرنس کے لئے کسی سرمایہ دار کے دروازے پر دستک نہیں دی ہے بلکہ ہمارے معاون یہی غریب عوام ہیں جنہوں نے ایک ایک روپیہ چندہ دے کر اس کانفرنس کو کامیاب بنایا ہے اور انشاء اللہ ہمارے سنی عوام، سنی پاکستان اور نظریہ پاکستان کے تحفظ میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے آپ نے فرمایا کہ ہماری فلاح نہ سوشلزم میں ہے نہ کمیونزم میں اور نہ سرمایہ دارانہ نظام میں بلکہ ہماری فلاح دنیاوی اور آخروی صرف اور صرف اسلامی نظام میں ہے اور وہی نظام یہاں جاری ہوگا جو ملک کی عظیم اکثریت چاہے گی۔ نعروں کی گونج میں صدر جماعت اہل سنت پاکستان کی تقریر ختم ہوئی۔

مولانا محمد شفیع صاحب اوکاڑوی نائب صدر اول مرکزی جماعت اہل سنت نے اشعار کے ذریعہ اسلام کی خوبی اور سوشلزم کی خدمت فرمائی آپ کی نظم اتنی پر جوش اور ولولہ انگیز تھی کہ دیر تک سارا پنڈال نعروں سے گونجتا رہا۔

مولانا محمد شریف صاحب شیخ الحدیث دار العلوم مظہر العلوم ملتان اور رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے اسٹیج کو زینت بخشی اور نہایت باوقار انداز میں مسلمانان پاکستان کو خبردار کیا کہ ہندوستان میں بعض نام نہاد علماء نے کانگریس کی حمایت کی اور گاندھی کی دھوتی سے چپکے رہے مسلمانوں کے مقصد کو نقصان کو پہچانتے رہے تفرقہ بازی کرتے رہے پاکستان کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے ان کے نام نہاد مفتیوں نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلم لیگ والوں کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے اور ان ہی علماء سوء نے یہ بھی کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں مگر قائد اعظم نے ان کے دعویٰ کو غلط قرار دیا اور بتایا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے۔ اور ہندو ایک علیحدہ قوم ہے ہندو کی تہذیب اور مسلمان کی اور ہندو کا تمدن اور ہے اور مسلمان کا اور ہے ان کا مذہب اور ہے اور مسلمانوں کا اور ہے۔ مگر جب پاکستان بن گیا تو اپنا پرانا لبادہ اتار کر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہے کبھی وہابیت کا پرچار کر کے عظیم اکثریت کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے رہے اور کبھی کسی دوسرے روپ میں آئے۔ یہاں تک کہ سوشلزم کے فتنہ نے جب سر اٹھایا تو یہی علماء وسوشلزم کا لبادہ اوڑھ کر غریبوں اور مفلسوں کے ہمدرد بن کر پھر ایک مرتبہ اپنے پرانے طریقوں سے مسلمانوں کو تباہی اور

بربادی کے گڑھے میں گرانے لگے یہ وہی لوگ ہیں جن کو پاکستان اور نظریہ پاکستان دونوں سے چڑ تھی

علامہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نائب صدر مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان نے اپنے مخصوص انداز بیان میں بڑی بڑی دلچسپ باتیں بیان فرمائیں۔ اپنی ولولہ انگیز اور معلوماتی تقریر میں حضرت نے فرمایا علمائے میدان میں آنے سے بڑے سیاسی بازیگروں کے کیمپوں میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ علماء مساجد میں نماز پڑھاتے ہیں وہ ملک کے دستور کے متعلق نابلد ہیں اور چونکہ یہ انگریزی نہیں جانتے اس لئے یہ دستور نہیں بنا سکتے ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ بازار سیاست کے بازی گر دکیا دستور انگریزی ہوگا یا امریکن ہوگا یا روس اور چین سے درآمد کیا جائے گا اگر ہاں تو خوب غور سے سن لیں کہ اس ملک کا آئین نہ انگریزی ہوگا اور نہ امریکہ سے درآمد ہوگا نہ روس اور چین کے اصول پر مرتب ہوگا بلکہ وہ آئین اس ملک میں نافذ ہوگا جس کا سلسلہ مدینہ منورہ کی سرزمین سے ہوگا مولانا نے فرمایا کہ سیاسی شعبدہ باز اس ملک میں ۲۳ سال تک دندناتے رہے ہیں ہم محراب و منبر سے شراب کے لائسنس جاری کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء سے ۵۸ء تک ان سیاسی لیڈروں نے ملک کو خوب لوٹا۔ تا آنکہ مارشل لاء نے نافذ ہو کر ان سیاسی لیڈروں کو نکال باہر کیا گیا مگر یہ چوری کرنے والے عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے دوسرے راستے سے ایوب صاحب کی آمریت کے دروازے کی چول بنے رہے وہ ایوب خاں جنہوں نے آرڈیننس کے ذریعہ حکومت کی جنہوں نے آرڈیننس کے ذریعہ اپنی حفاظت کا تو سامان کیا مگر دین اسلام کی حفاظت کے لئے کوئی آرڈیننس جاری نہیں کیا اور دور آمریت میں سوشلزم کیپٹلزم نیشلزم کے سانپوں نے اپنے پھن نکالے اور دین اسلام کو ڈسنے کے لئے بالکل تیار تھے کہ وہی علماء و مشائخ اور وہی مسلمانان پاکستان میدان میں آگئے جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں۔ علماء مسجد کے منبر سے نکل کر میدان عمل میں آگئے ہیں تاکہ جس اسلامی نظام کے لئے محراب و منبر سے آواز بلند کرتے رہے اب اس اسلامی نظام کو اسمبلیوں میں قوت و طاقت سے بروئے کار لائیں گے۔ گذشتہ ۲۳ سال سے ہمارے لیڈر بار بار اسلام کا نام لے کر عوام کو دھوکہ دیتے رہے اور ہوٹلوں میں داد عیش دیتے رہے کلبوں میں ناچتے رہے اپنے دور وزارت میں لائسنس اور پرمٹ حاصل کرتے رہے۔ بجٹ میں تمام منصوبوں اور خاندانی منصوبہ بندی کے لئے رقم منظور کراتے رہے مگر اسلام کی تبلیغ کے لئے مسجد کی تعمیر کے لئے مدارس میں دینی تعلیم اور قرآن پاک کی تعلیمات کے لئے ایک پھوٹی کوڑی بھی بجٹ میں نہیں رکھی۔ مولانا نے مزید فرمایا کہ جب ہم نے دیکھا کہ پانی سر سے اوپر جا رہا ہے اور ہمارے یہ سیاسی شعبدہ باز اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس ملک کو لادینی نظریات کی بھینٹ چڑھا

رہے ہیں تو علماء و مشائخ نے مملکت پاکستان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے میدان عمل میں آگئے۔ اس ملک میں سوشلزم کے نعرے لگائے جا رہے ہیں اور وہ لیڈر بھی اس کے سربراہ بنے نظر آتے ہیں جو خود بڑے سرمایہ دار غریبوں پر ظلم و ستم کرتے رہے ہیں جن کے کتے گوشت کھاتے ہیں مگر ان کے نوکر اور ملازم اس نعمت سے محروم ہیں۔ ہوٹلوں میں شراب کے ڈرم ختم کرنے والے عوام کے حامی بن کر سامنے آگئے یہ وہ ہیں جو تاشقند کے راز کو ٹالتے رہے یہاں تک کہ آخر میں ڈھٹائی سے کہا کہ ایک افسر کے حکم کی وجہ سے تاشقند کے راز کو افشا نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے اس لیڈر کی جرأت کو کہ وہ نوکر شاہی کا کتنا احترام کرتا ہے کہ اگر ایسا لیڈر   وزارت پر پھر دوبارہ براجمان ہو تو کس طرح بلا جھجک حق بات کہہ سکتا ہے ایسے لیڈروں کے دھوکہ میں آکر جو لوگ سوشلزم کو اپنی مشکلات کا حل سمجھتے ہیں وہ بہت سیدھے سادھے ہیں ان کو ایسے فریب کاروں سے بچنا چاہئے۔

مولانا نورانی میاں نے مزید فرمایا کہ اس ملک میں دین مصطفیٰ کا پرچم لہرا کر رہے گا اور اس ملک میں اسلامی آئین بن کر رہے گا۔ نعروں کی گونج میں علامہ شاہ احمد نورانی صاحب نے اعلان کیا کہ جمعیۃ العلماء پاکستان انشاء اللہ دین اسلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کو بلند رکھنے کے لئے انتخاب میں حصہ لے گی اور امیدواروں کا اعلان مناسب وقت پر کیا جائے گا۔

حضرت مولانا غلام علی اکاڑوی رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے بڑے ہی پرجوش انداز میں دلائل و براہین کی روشنی میں اسلام کے دین کامل ہونے پر خطاب فرمایا۔ مولانا نے فرمایا کہ جب اسلام مکمل دین ہے تو پھر اس میں کسی پیوند کاری کی ضرورت نہیں رہی۔ دین اسلام کا جس طرح اطلاق اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اسی طرح دین کا اطلاق دین محمدی پر ہو سکتا ہے لہٰذا جو جماعتیں اور جماعت کے سربراہ "دین محمدی" کہنے کو غلط کہتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا پیشوا نہیں مانتے ایسے سربراہ جماعت کو زیب نہیں دیتا کہ وہ پھر اسلام اسلام کی رٹ لگائے مولانا نے فرمایا کہ ہم کو جس طرح سوشلزم جیسے کھلے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ اسی طرح ہم کو ایسے چھپے ہوئے دشمن کا مقابلہ بھی کرنا ہے جو اسلام کا نام لینے میں مخلص نہیں معلوم ہوتا۔ ہمیں ایسے نام نہاد اسلام والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جو دین محمدی کی اصطلاح کو خلاف اسلام قرار دیتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر فتنے سے بچائے انہوں نے فرمایا کہ اگر اسلام کو سوشلزم سے خطرہ ہے تو اسی طرح بعض نام نہاد اسلامی جماعتوں سے اہل سنت کو خطرہ ہے۔ ہم کو دونوں محاذوں پر ثابت قدم رہ کر نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا ہے بعض جماعتیں اسلام پسند کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ اس اصطلاح کا کیا مفہوم ہے میرے نزدیک اسلام پسند نہیں بلکہ اسلام پابندیوں کی ضرورت ہے۔ جہاں ایک طرف ایسے کم علم لوگ اسلام کا نام لے کر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہاں

بدکردار، شرابی، عیاش اور دین سے بالکل ناواقف لیڈر اسلامی مساوات کا نعرہ لگا رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن سے پوچھا جائے کہ کلمہ طیبہ پڑھو تو درود پڑھتے ہیں، اور درود پڑھنے کو کہا جائے تو کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کو تو کلمہ طیبہ تک نہیں معلوم وہ کس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم محمدی نظام قائم کریں گے یہ وہ دھوکہ باز لوگ ہیں جو اسلام کا نام لے کر عوام کو دھوکہ میں مبتلا کر کے اپنا الو سیدھا سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ دہریت پسندانہ نظریہ سوشلزم اور کمیونزم کو ہم پر مسلط کر کے ہمارے متاعِ اسلام پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں ایسے فریب کاروں سے ضرور بچنا چاہئے جمعیۃ العلماء پاکستان نے دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربلندی کے لئے انتخاب میں حصہ لینے کا تہیہ کر لیا ہے اور انشاء اللہ اس ملک سے سوشلزم اور سرمایہ داری کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بھی جنازہ نکالا جائے گا جو اس ملک میں زبردستی قابض ہو کر اپنی مرضی کا دین نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تمام فتنوں سے بچائے۔ نعروں کی گونج میں مولانا غلام علی صاحب اکاڑوی نے اپنی تقریر کو ختم فرمایا۔

حضرت علامہ مولانا شاہ عارف اللہ صاحب قادری رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے تحریکِ آزادیٔ ہند کے عظیم سنی رہنماؤں کی تحریکِ حریت پر بصیرت افروز تقریر فرماتے ہوئے خطاب کیا کہ یہ تاریخ کی کتنی ستم ظریفی ہے اور تعصب کا کتنا عظیم ظلم ہے کہ اہل سنت علماء و مشائخ کی ان عظیم تحریکات کو پس منظر میں ڈال دیا گیا ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی مولانا عنایت احمد کاکوروی وغیرہ ان عظیم اہل سنت مجاہدین تحریکِ آزادی میں جنہوں نے انگریز کے خلاف فتویٰ دیا اور یہ جرأت کہ اس فتویٰ پر گرفتاری ہوئی اور مطالبہ کیا گیا کہ فتویٰ واپس لینے پر رہائی ہو سکتی ہے مگر آہ مولانا فضل حق خیر آبادی کہ آپ نے جیل کو منظور کر لیا حبس و قید کو گلے سے لگا لیا مگر آپ کے قلم سے جاری کردہ فتویٰ واپس نہ ہوا اور جب بہ ہزار دقت مولانا فضل حق کے صاحبزادے مولانا عبد الحق نے پروانہ رہائی حاصل کر کے جزیرہ انڈمان میں قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے ہی رہائی پا گئے ہیں گویا انگریز کے پروانہ رہائی کے بھی احسانمند نہ ہوئے ادھر جنازہ اٹھ رہا ہے ادھر مولانا کے صاحبزادے پوچھ رہے ہیں کہ کس کا جنازہ ہے تو کہا جاتا ہے کہ عاشق کا جنازہ ہے بڑے دھوم سے اٹھے، مولانا فرمایا کہ یہ ہیں ہمارے رہنما جنہوں نے انگریز کا مقابلہ اس وقت کیا جب کہ اس کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر تھا پھر فرمایا کہ اس کے بعد ۱۸۹۶ء میں پٹنہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی سرکردگی میں سنی کانفرنس میں ایک اسلامی حکومت کا تصور پیش کیا پھر دوسرا دور آیا جبکہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس نے ۱۹۴۶ء میں قیام پاکستان کی جد و جہد کو تیز کرنے کے لئے ہزاروں علماء و مشائخ اہل سنت نے مجتمع ہو کر بیک آواز پاکستان کے حق میں رائے دی اور عملی طور پر قیام پاکستان میں اہم کردار انجام دیا اور آج جب کہ پاکستان کے بقا کا مسئلہ اس کے نظریات

کے تحفظ کا مرحلہ آیا ہے تو پھر ان علماء حق نے میدان جہاد میں قدم رکھا ہے اور انشاء اللہ جس طرح پہلے کامیاب ہوتے رہے ہیں اسی طرح اب بھی علماء و مشائخ کی یہ مقدس جماعت عوام اہل سنت کے تعاون سے اس ملک میں اسلام کا عدالتی اخلاقی معاشی اور تجارتی نظام برپا کر کے رہیں گے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ آج اسلام کے مقابلہ میں لادینی اقتصادی نظام کی باتیں کی جارہی ہیں یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ بعض نام نہاد مفتی بھی اس رو میں بہہ کر بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں جبکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر کوئی نظام مکمل ہو سکتا ہے تو وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا دیا ہوا نظام ہی ہو سکتا ہے جس کو آقائے نامدار مدنی تاجدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے اور وہ ہے اسلامی نظام جو نہ صرف اس زندگی بلکہ آخروی زندگی کے تمام شعبوں پر کامل رہنمائی فرماتا ہے۔ آخر میں مولانا عارف اللہ صاحب قادری نے فرمایا کہ علماء اہل سنت اور مشائخ عظام کے ساتھ مل کر عوام اہل سنت کو بھرپور تعاون فرماتے ہوئے جمعیۃ العلماء پاکستان کو مضبوط بنایا جائے۔

اختر جمیل احمد صاحب نعیمی ناظم نشر و اشاعت جماعت اہل سنت پاکستان نے سنی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے علماء مشائخ اور مقررین کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ آج یہ علماء مدارس و مساجد سے اور یہ مشائخ اپنی خانقاہوں سے نکل میدان جہاد میں آگئے ہیں اور یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں آئے ہیں بلکہ جب بھی انتہائی نازک وقت آیا اور قوم کو ان کی رہنمائی کی شدید ضرورت ہوئی انہوں نے اس جہاد میں بھرپور حصہ لیا ہے اگر وقت کے مورخ تعصب کی عینک اپنی نگاہوں سے اتار دیں تو ان کو ماضی میں بہت سے ایسے واقعات دستاویز ثبوت کے طور پر مل جائیں گے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اپنی بساط کے مطابق باطل کا ہر دور میں مقابلہ کیا ہے۔ اور اس کو زیر کر کے دم لیا ہے۔ اختر نے بتایا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور دیگر علماء اہل سنت نے اس ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف وہ زبردست علم جہاد بلند کیا کہ انگریز کے ایوان حکومت میں زلزلہ آگیا۔ پھر پٹنہ کی سنی کانفرنس جو ۱۹۰۰ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی قیادت میں ہوئی اس میں بھی انگریزوں اور ہندوؤں کے مظالم کے خلاف زبردست جہاد کیا گیا اور سچ پوچھئے تو پٹنہ کی سنی کانفرنس نے پاکستان کے قیام کی بنیاد کھڑی کر دی تھی چنانچہ ۱۹۴۶ء میں سنی کانفرنس بنارس نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر پاکستان کے حق میں فیصلہ صادر کر کے برصغیر کی عظیم اکثریت اہل سنت کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کر دیا اس طرح اس عظیم اکثریت کے ووٹوں نے پاکستان کے قیام میں سب سے اہم اور بڑا حصہ لیا۔ اختر نعیمی نے زور دے کر کہا کہ آج کی یہ عظیم سنی کانفرنس بھی پاکستان کے بچانے اور نظریہ اسلام کی بقا کیلئے ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ ہمارے یہ مشائخ حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی دامت برکاتہم العالیہ صدر مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان اور حضرت قدوۃ الاسلام شیخ طریقت حضرت پیر محمد قاسم صاحب شوری صدر

جمعیۃ العلماء پاکستان صوبہ سندھ اور دیگر مقتدر علما اہل سنت جو اس سنی کانفرنس کے دونوں اجلاس سے خطاب فرمانے والے ہیں۔ انہوں نے عوام اہل سنت کو بیدار کر کے اس ملک کو سوشلزم کیمونزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریوں سے بچانے میں بہت بڑا جہاد کیا ہے۔ آخر میں اختر نے صدر جماعت اہل سنت پاکستان علامہ ازہری صاحب سابق صدر جماعت اہل سنت مولانا علامہ محمد شفیع صاحب اکاڑوی، مولانا علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا شاہ عارف اللہ قادری، مولانا علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا شاہ اعلیٰ جمعیۃ العلماء پاکستان مولانا محمد شریف صاحب شیخ الحدیث ملتان اور دیگر علماء کا تعارف کراتے ہوئے تقریر کو ختم کیا۔

حضرت شیخ المشائخ قبلہ خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی مدظلہ، صدر مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے پہلے اجلاس کی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ آج کے اجلاس میں خطاب فرمانے والے مقررین نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے دل کی آواز ہے۔ ہم لوگ اسلام کی سربلندی کیلئے میدان میں نکل آئے ہیں اور انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

آپ نے انتہائی عالمانہ انداز میں الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی تفسیر و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اسلام ایک ایسا مکمل جامع اور بہترین نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے اور یہ دین اسلام خدا کا پسندیدہ دین ہے یہی قانون اسلام انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے بید مفید کار آمد اور قابل عمل ہے دین اسلام اپنی جامعیت کی بنا پر کسی قسم کی پیوند کاری یا کسی دوسرے نظام کی ضرورت نہیں رکھتا اسلام اپنے تمام ماننے والوں کے لئے یکساں رہنما ہے۔ اس دین کے بعد کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس ملک کا آئین اور دستور سوائے کتاب و سنت کی ہدایت کے دوسرا مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کو اسلام کے سوا کوئی قانون درکار نہیں۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ نے آخر میں اہل سنت کی کامیابی اور مسلمانان عالم کی فلاح و بہبود کے حق میں دعا کرتے ہوئے کانفرنس کی کامیابی پر کانفرنس کے منتظمین کو مبارک باد پیش کی۔

سنی کانفرنس کے پہلے اجلاس میں علامہ سید محمود احمد صاحب رضوی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے منشور کی وضاحت میں ایک مقالہ پڑھا۔ جس کو علماء و مشائخ کرام نے بہت پسند کیا مولانا علامہ محمد شفیع صاحب اکاڑوی نائب صدر اول جماعت اہل سنت پاکستان نے اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے انتہائی شاندار الفاظ میں اسلامی مساوات کی وضاحت فرمائی آپ نے فرمایا کہ مساوات کا مطلب سب انسانوں کو ایک جیسا کر دینا نہیں ہے اور یہ بات خلاف قانون قدرت ہے کہ خدا نے انسان کی پانچ انگلیوں کو یکساں نہیں بنایا ہے۔ ہم جس اسلامی مساوات کے قائل ہیں وہ نہ سرخ سامراج میں ہے اور نہ کالے سامراج میں۔ ہمارا تعلق نہ سرخ سے ہے نہ کالے سے بلکہ ہمارا تعلق گنبد خضرا سے ہے اور اسی تعلق کو ظاہر کرنے کیلئے ہمارے جھنڈے پر گنبد خضرا کا نقشہ ہے جو ہمارے فکری انداز ہمارے وہ معتقدات اور ہمارے دینی اور مذہبی رجحانات کا عکاس ہے ہم نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بروئے کار لا کر رہیں گے اور اس مملکت میں پیارے آقا کے دین کا ڈنکا

جائیں گے۔ ہم یقیناً کامیاب ہوں گے کیونکہ ہم پر خدا رسول صحابہ اہل بیت صوفیا اور علما سب کا سایہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے مسلمانو آؤ ہم سب مل کر اس علم کو بلند کریں اور بلند رکھیں جس کو امام حسین نے امام ابوحنیفہ نے حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت غوث بغداد نے اور حضرت خواجہ غریب نواز نے بلند کیا تھا فتح انشاء اللہ ہماری ہوگی۔ ملک کی عظیم اکثریت اہل سنت جاگ اٹھی ہے وہ صحیح معنی میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرے گی آخر میں آپ نے اسلام کی سربلندی اور تبلیغ کیلئے عوام سے مالی تعاون کی اپیل بہت ہی موثر انداز میں فرمائی جس پر عوام نے لبیک کہتے ہوئے مبلغ دس ہزار روپے کے قریب جماعت اہل سنت کو عطیات فراہم کئے ماشاء اللہ

حضرت مولانا مفتی سید شجاعت علی صاحب قادری مفتی اہلسنت نے عوام سے خطاب فرماتے ہوئے اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام پر انتہائی موثر انداز میں تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جو مقام محنت کش طبقہ کو اسلام میں حاصل ہے اس کی نظیر کسی اور دوسرے نظام میں نہیں ملتی آپ نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزدور اور محنت کش طبقہ کے افراد کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ ہاتھ بہت اچھے ہیں جو محنت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں امیر وغریب سب برابر ہیں اسی لئے اسلام کے پرچم تلے جو معاشرہ برپا ہوگا وہ کائنات کا بہترین معاشرہ ہوگا ہمیں چاہیئے کہ اپنے مصائب ومشکلات کا حل اسلام کے ذریعہ حاصل کریں کوئی دوسرا نظام محنت اور مزدور طبقہ کو وہ سہولتیں اور آسانیاں مہیا نہیں کر سکتا جو اسلام نے عطا فرمائی ہیں آخر میں آپ نے ایک قرارداد بھی سرمایہ داروں کے مظالم کے خلاف اور محنت کش طبقہ کی زبوں حالی کو دور کرنے کیلئے پیش کی۔

دوسرے اجلاس کے صدر حضرت علامہ پیر طریقت پیر محمد قاسم صاحب مشوری شریف صدر جمعیت العلمأ پاکستان صوبہ سندھ نے اپنی صدارتی تقریر میں سنی کانفرنس کی کامیابی پر علماء مشائخ کو مبارکباد پیش اور سب کو باہم متحد ہو کر لادینی فتنوں کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی آخر میں آپ نے سب مسلمانوں کو مل کر اسلامی قوانین کے نفاذ کیلئے اپنی کوششوں کو تیز تر کرنے کا مشورہ اور ہدایت کی۔ اور یوں کراچی کی سرزمین پر یہ سنی کانفرنس صلوۃ وسلام پر ختم ہوئی اور اپنے انمٹ نقوش تاریخ پاکستان میں ثبت کر گئی۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو کامیاب فرمائے آمین ثم آمین بجاہ حبیبک النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

دستورِ پاکستان

پر

مقالۂ خصوصی

ازفیوضات ——— حضرت علامہ احمد سعید کاظمی مدظلہ العالی

ملتان میں

کُل پاکستان سُنی کانفرنس

۱۹۵۵ء میں منعقد ہوئی!

اس میں قبلہ غزالئ دوراں، حضرت علامہ احمد سعید کاظمی صاحب دامت برکاتہم نے دستورِ پاکستان کے عنوان سے ایک خصوصی مقالہ پیش فرمایا، جسے ہم اپنے قارئین کے لئے مولانا عبداللہ سلطانی کے شکریہ کے ساتھ شاملِ اشاعت کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضرورتِ قانون

یہ ایک مشتِ خاک انسان ان تمام حقیقتوں کا مرکز و معدن اور ملجا و ماویٰ ہے۔ انسانی فطرت میں حصول آزادی کے جذبات کا اندازہ لگانے سے پہلے نظامِ عالم پر اگر ایک متجسسانہ نظر ڈالی جائے تو حقیقت واقعیہ بخوبی آشکار ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (قرآن مجید)

عنقریب ہم اپنی قدرت کی نشانیاں ان کو آفاق میں دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں یہاں تک کہ یہ چیز ان کے لئے اچھی طرح روشن ہو جائے کہ بے شک وہی حق ہے۔

سب سے پہلے عناصر اربعہ ہی کو لیجئے۔ زمین جو طبعاً مائل بہ پستی ہے۔ اگر کسی قسر قاسر سے زبردستی اس کو اس کے حیز طبعی سے جدا کر دیا جائے۔ مثلاً مٹی کا ایک ڈھیلا کوئی شخص اپنی پوری طاقت سے آسمان کی طرف پھینکے تو وہ بحالت مجبوری اپنے حیز طبعی سے اٹھ کر بلندی کی طرف ضرور جائے گا۔ مگر اس کی طبیعت میں قسر قاسر کی جکڑ بندیوں سے آزادی حاصل کرنے کے جذبات ضرور اس جدوجہد میں مصروف ہیں۔ کہ اس قاسر و جابر کی گرفت ذرا ڈھیلی ہو اور اس کی قوت کچھ کمزور ہو، تو اس قید غلامی سے نجات پا کر حیز طبعی کی آغوش میں آزادی کا سانس لینے کا موقع ہاتھ آئے۔ چنانچہ جب پھینکنے والے کی طاقت کا زور ختم ہو جاتا ہے تو اپنی طبعی قوت سے وہ ڈھیلا پھر اپنے حیز طبعی میں واپس آ کر آزادی کی خوشگوار فضا میں پہنچ جاتا ہے۔ خواہ یہ آزادی اور غلامی طبعی اور قسری تقاضوں کی کشمکش غیر شعوری طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اصل فطرت کے خلاف ہر ماحول غلامی ہے۔ اور فطری تقاضوں کا پورا ہونا ہر فرد عالم کے لئے حقیقی آزادی ہے اسی طرح ہوا کی کیفیت ہے۔ اگر اس کو کسی چیز میں بند کر کے پانی کی گہرائیوں میں زبردستی پہنچا دیا جائے تو غلامی کی زنجیروں میں مقید ہو کر وہ ہوا یقیناً اپنے حیز طبعی سے دور کسی غیر طبعی مستقر میں اس طرح پہنچ جائے گی جس طرح مٹی کا ڈھیلا آسمان کی بلندیوں کی جانب پہنچا تھا۔ لیکن اس کے طبعی جذبات آزادی کا پتہ اسی وقت لگے گا، جب پانی کی گہرائیوں میں مضبوط بندشوں کو توڑ کر ہوا کے ظرف کا منہ کھول دیا جائے۔ اس وقت وہ اجزائے

ہوائیہ بڑی تیزی کے ساتھ اس سے باہر آئینگے اور سطح آب کو چیرتے پھاڑتے راہ آزادی سے ہر سنگ گراں کو ہٹاتے ہوئے اپنے مرکز اصلی اور مستقر طبعی پر پہنچ جائیں گے۔

آگ کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس کے مضطرب اور بے تاب شعلے ہمیشہ بلندی کی طرف چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ ان کا رُخ بلندی کی جانب سے پستی کی طرف لانے کی لاکھ کوشش کریں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ طبیعت کے باقی رہتے ہوئے طبعی رجحانات کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیر طبعی قید و بند سے تنگ آکر انتہائی بے چینی، پریشانی اور اضطراب کے عالم میں قید غلامی سے نجات حاصل کرنے اور اپنے طبعی مستقر تک پہنچنے کے لئے بے تابانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔

پانی کا بھی یہی حال ہے، اگر اس کو اس کے مکان اصلی سے زبردستی جدا کر دیا جائے تو وہ ہر آن جبر و استبداد کی قوتوں کے ختم ہونے کا منتظر رہے گا۔ اور جب بھی اس کو موقع ملیگا اپنے مکان اصلی کی طرف نہایت خاموشی کے ساتھ واپس آجائے گا۔

مقید پرندوں کا اپنے آشیانوں کے لئے تڑپنا اور پانی کی مچھلیوں کا سطح آب کیلئے بے تاب ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جسکا انکار نہیں کیا جا سکتا، پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی فطرت کے خلاف جکڑ بندیوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کرے۔

اس میں شک نہیں کہ جس طرح دیگر افراد ممکنات پر گردش زمانہ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بعض چیزیں اپنے مکان طبعی اور مستقر اصلی سے جدا ہو کر قسر قاسر کی قید و بند میں مبتلا ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح انسان بھی حوادثات زمانہ کا شکار ہو کر اسی قسم کے ماحول سے دوچار ہوتا ہے یعنی بیماری، آزادی، مظلومیت و دیگر مصائب و آلام کی طرح طبیعت انسانیہ کے خلاف ملوکیت اور غلامی کا حال بھی انسان پر طاری ہو جاتا ہے۔

جن اصولوں کے ماتحت ہمارے دیگر مصائب و آلام کا ازالہ ہو سکتا ہے، بالکل انہی کے تحت ملوکیت اور غلامی کی زنجیریں بھی کاٹی جا سکتی ہیں۔ یعنی جس طرح صرف کلمہ شریف پڑھ لینے سے کوئی بیمار اچھا نہیں ہو جاتا بالکل اسی طرح بجز د اسلام لانے کے ملوکیت اور غلامی ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام نے جس طرح بیماروں مظلوموں اور مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی، رعایت اور مروت کے طریقے تعلیم فرمائے ہیں۔ اسی طرح ملوکوں اور غلاموں کے متعلق بھی نیک برتاؤ اور حسن سلوک کے احکام صادر کئے ہیں۔ غلامی اور ملوکیت سے رہائی پانے کے لئے اسلام نے بالکل مستقل اور جداگانہ طور پر ایسے اصول بنی نوع انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں جن پر کاربند ہونے کے بعد جس طرح دیگر تکالیف سے نجات مل سکتی ہے۔ اسی طرح ملوکیت اور غلامی سے بھی بآسانی چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ حصول آزادی کا جذبہ انسان کا فطری جذبہ ہے۔ اور اسی کے لئے صحیح طور پر جدوجہد کرنا اس

کا طبعی اور پیدائشی حق ہے۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا کرنا صریح نافہمی پر مبنی ہوگا کہ جب آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ تو اس کے اقوال و اعمال خواہشات و نفسیات پر دین و مذہب کی قیود اور جکڑ بندیاں کیونکر جائز ہو سکتی ہیں۔ لامذہب لوگوں کیطرف سے یہ اعتراض عرصے سے پیش ہوتا رہا ہے۔ جس کی بنیاد حقیقت انسانیہ سے لاعلمی کے سوا کچھ نہیں۔۔۔۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانی حقیقت ایک ایسے لطیف اور نورانی جوہر کا نام ہے جسکو لطیفہ ربانی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس جوہر لطیف کے ارد گرد تمام حقائق کائنات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اسی لحاظ سے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ انسان خلاصہ ممکنات اور مجموعہ کائنات ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

نفس ناطقہ، انسانی اور لطیفہ ربانی کے پس و پیش تمام حقائق موجودات کو بالکل اسی ترتیب کیساتھ جمع کیا گیا ہے۔ جس ترتیب سے ایک شہنشاہ کے گرد وپیش اس کا پورا ملک، تمام رعایا، فوج و لشکر، ملازمین و خدام، افسران و حکام، اعیان دولت، ارکان مملکت امراء و وزراء جمع ہوتے ہیں۔ ان میں ان کے احوال و طبائع کیطرح مناصب اور مراتب کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی میں عجز و نیاز ہے۔ کسی میں تکبر و غرور۔ کوئی سست اور کاہل الوجود ہے۔ کوئی چست و چالاک، کوئی مطیع و فرماں بردار ہے۔ کوئی عاصی و نافرماں، کوئی تند خو غضب ناک خونخوار ہے۔ اور کوئی حلیم و رحیم، نرم دل بُرد بار۔ لیکن شہنشاہ ایسی زبردست قوت رکھتا ہے کہ ہر متواضع اور مغرور، سست اور چالاک، عاصی و مطیع، خونخوار و بردبار پر حکم چلا رہا ہے۔ اور ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لے رہا ہے۔ سلطنت کے تمام امور بنہایت حسن و خوبی کے ساتھ سرانجام ہو رہے ہیں۔ اور ملک کا گوشہ گوشہ امن و عافیت کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ شہنشاہ کی حاکمانہ گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور قوت متصرفہ کمزور ہو جائے، قوانین شاہی کی پابندیوں میں ضعف و اضمحلال کے آثار پیدا ہونے لگیں، ملک و رعیت کے حالات کیطرف توجہ نہ کی جائے۔ ماتحت حکام و وزراء کی نقل و حرکت پر شہنشاہ کی نگرانی نہ رہے تو یقیناً ملک تباہ و برباد ہونا شروع ہو جائے گا۔ تند خو خونخوار وزراء، سرکش اور سطاقی حکام علم بغاوت بلند کر دیں گے۔ لاقانونیت کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔ جو سرکش اور باغی وزیر جس صوبے اور علاقے کو چاہے گا، اپنی بغاوت کی آماجگاہ بنا کر جبر و تشدد، خونریزی اور سفاکی شروع کر دے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ باغی وزراء شہنشاہ کو باغی بنا کر مرکزی حکومت پر خود قابض ہو جائیں اور اس طرح ملک اور رعایا سب تباہی اور بربادی کے گڑھے میں جا گریں۔

خالق فطرت نے اجسام و ارواح، جواہر و اعراض، خلق و امر کی تمام حقیقتوں کو سمیٹ کر نفس ناطقہ، انسانی کے آس پاس جمع کر دیا اور اس مجموعۃ الحقائق کا نام انسان رکھ دیا۔ روحانیت کو جسمانیت سے ملا دیا، ملکیت کے ساتھ بہیمیت و بہیت کی سرکش طاقتوں کو بھی دامن انسانیت سے وابستہ کر کے اس کا پابند

محکوم بنا دیا۔ گویا وہ نفس ناطقہ انسانی اور لطیفہ ربانی ایک شہنشاہ ہے۔ عالم خلق و امر اس کا ملک ہے۔
خلق و امر کی سب حقیقتیں اس کی رعایا ہیں۔ ملکیت اور شیطنت سبعیت و بہیمیت کی زبردست طاقتیں اس کے
درباری اور حکام و وزراء ہیں۔ جن پر وہ لطیفہ ربانی اپنے طبعی تقاضوں کے مطابق حکومت کر رہا ہے۔ ربانی
قانون اور روحانی آئین نافذ کر کے عالم انسانیت میں متصرف اور حکمران ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔
کہ خلافت الٰہیہ کا ظہور اسی میں ہے۔ اور اس مندرجہ ذیل آیت ربانی کی تفسیر یہی ہے۔

انّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ۔

اب اگر اس مملکت انسانیہ میں نفس ناطقہ انسانی ان تمام مختلف حقیقتوں اور سرکش طاقتوں کو اپنے تحت
تصرف نہ رکھے اور احکام ربانی و آئین جہانبانی کی جکڑ بندیوں کو ان سرکش اور رہائی وزراء سے اٹھالے اور
ہر ایک کو شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دے تو بلاشبہ عالم انسانیت تباہی اور بربادی کے گڑھے میں جا پڑے گا
بہیمیت اپنی خواہشات کو پورا کرے گی سبعیت اپنی خونخواری کے تقاضوں کی طرف دوڑے گی۔ حیوانیت اپنا کام شروع
کر دے گی۔ شیطنت علم بغاوت کر کے نظام انسانیت کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔ اور لاقانونی پیدا ہونے سے
مادی مملکتوں میں جو افراتفری اور تباہی و بربادی کے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ بالکل وہی حالات مملکت انسانیہ
میں پیدا ہو جائیں گے۔ اور ممکن ہے کہ بہیمیت سبعیت اور حیوانیت و شیطنت کی زبردست طاقتیں قانونی جکڑ بندیوں
کے ختم ہو جانے پر جوہر انسانیت کا صفایا کر دیں۔ اور اسی طرح عالم انسانیت حیوانیت، سبعیت و بہیمیت و شیطنت
کا اکھاڑا بن جائے۔ نفس ناطقہ انسانی کے انہی فطری تقاضوں اور لطیفہ ربانی کے طبعی مقتضیات کو ہم دینی احکام
اور مذہبی جکڑ بندیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ہم نے واضح طور پہ بیان کر دیا کہ ان احکام اور جکڑ بندیوں کے
بغیر کسی مملکت کا نظام برقرار نہیں رہ سکتا۔ اسلئے ضروری ہے کہ نظام انسانیت کے تحفظ کی خاطر اصول انسانیت
کی پابندی کی جائے۔ آج دنیائے انسانیت میں جو انقلاب رونما ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ نفس ناطقہ انسانی
کی مالکانہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کی آمرانہ قوتیں ضعیف ہو گئیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مملکت انسانیہ کے ہر
گوشے سے سرکش طاغوتی طاقتیں ابھر آئیں اور انہوں نے انسانیت کے مقدس آئین کے احترام کو مذہبی جکڑ بندیوں
سے تعبیر کر کے اس کے خلاف واویلا مچانا شروع کر دیا۔ بلکہ انسانیت کے خلاف محاذ قائم کر کے جوہر انسانیت کو
فنا کرنے کی مہم شروع کر دی۔ انسانوں کی اکثریت جوہر انسانیت سے محروم ہو گئی۔ غارت گری کا دروازہ کھل گیا
درندگی و خونخواری کے مظاہرے ہونے لگے ظالم و سفاک درندے انسانی صورتوں میں انتہائی بے رحمی
کے ساتھ انسانیت کا خون بہانے لگے۔ حیوانیت اور بہیمیت کے انداز میں فحاشی اور بے حیائی کی گرم بازاری
شروع ہو گئی اور بالآخر انسانی ہاتھوں سے خرمن انسانیت نذر آتش ہو کر رہ گیا

؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہوگیا۔ کہ انسان من حیث ہو انسان کی حقیقت نفس ناطقہ انسانی ہے اور وہ جو ہر لطیف حسن الوہیت کی بے مثال تجلی ہے۔ اس لئے اس کا میلان طبعی خالق کائنات کے سوا کسی اور کی جانب نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا صحیح اور جائز فطری تقاضا باری تعالیٰ کی رضا جوئی اور معرفت قرب خداوندی ہی میں منحصر ہونا لازمی ہے ضروری ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر وہ اصول و آئین جو انسان کے مذکورہ فطری تقاضوں کے خلاف ہو، وہ یقیناً اس کے لئے غلامی کی قید و بند اور اس کی راہ آزادی میں سنگ گراں ہے اور اس قسم کی قید و بند سے نکلنا ہی آزادی کی فضا میں سانس لینے کے مترادف ہے۔

تاریخ عالم میں افراد انسانی کی کش مکش، کفر و اسلام کی جنگ، خیر و شر کا ظہور، حق و باطل کا تقابل، انسان کی اس حقیقت جامعہ کا آئینہ دار ہے۔ نفس ناطقہ انسانی کی گرفت سے جو حقیقت نکل گئی اسی نے موقع پا کر اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کرنا شروع کر دیا۔ اور جہاں وہ لطیفہ ربانی عالم انسانیت میں بسنے والی حقیقتوں پر اپنی پوری قوت اور حاکمانہ شان سے متصرف رہا، وہاں مزاج انسانیت حد اعتدال سے متجاوز نہ ہونے پایا اس کے نظام میں بھی کسی قسم کا خلل و اضطراب واقع نہ ہوا۔

یہ امر بھی اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ حق پرست اور صداقت پسند انسانوں نے غلامی کی قید و بند کے خلاف جب بھی علم جہاد بلند کیا اور حصول آزادی کی جد و جہد کی اس میں ہوا و ہوس، طبع نفسانی حصول مال و منال ملکیت و وطنیت کا کوئی جذبہ کبھی کارفرما نہیں ہوا۔ بلکہ ان کا مطمع نظر ہمیشہ یہی رہا کہ طاغوتی طاقتوں کے قید و بند کو توڑ کر حیوانیت اور درندگی کے خونخوار پنجوں سے بے کس اور مظلوم انسانیت کو نجات دلائی جائے۔ تاکہ وہ اپنے مرکز اصلی کی جانب جانے۔ انسانیت کے بلند مقامات حاصل کرنے اور طبعی تقاضوں کے موافق باری تعالیٰ کی رضا جوئی اسکے قرب و معرفت کے حصول جیسے مقاصد عظیمہ میں کامیاب اور فائز المرام ہو۔

گردش زمانہ کے ساتھ انسانیت کی جکڑبندیوں اور انسانوں کی غلامی و محکومی کے جتنے دور آئے ان میں سرزمین ہندوستان پر انگریزوں کے اقتدار کا دور خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایشیاء کے براعظم ہندوستان میں اقتدار کی باگ دوڑ جب انگریز کے ہاتھ آئی تو اس نے اس کے باشندوں کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ یہاں چھوٹی چھوٹی قوموں کے علاوہ دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان آباد ہیں۔ دونوں قوموں کی تاریخ اس کے سامنے تھی۔ اس نے تاریخ کی روشنی میں دونوں قوموں کی ذہنیت کو سمجھنے کی کوشش کی۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں ہندو قوم ہی آباد تھی۔ اور سارا ملک اسی کے تسلط سے اقتدار کے ماتحت تھا۔ مگر حکمرانی کی صحیح قابلیت کی بجائے وطن پرستی کا جذبہ جو مشرکانہ ذہنیت کے لوازم سے ہے، پوتر بھومی کا تصور بن کر ہندو قوم کے دماغوں پر چھایا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے سوا کسی ملک میں اس قوم کا نام و نشان کبھی نہیں پایا گیا۔ اور حدود وطنیت سے یہ قوم کبھی آگے نہیں بڑھی اور اسی لئے اصول

جہانبانی سے بھی ہمیشہ ناآشنا رہی۔

تاریخ ہند میں کوئی ایسا دور نہیں ملتا جس میں پورا ملک ایک نظام حکومت کے ماتحت ہو۔ وطن پرستی کے مختلف نظریات و جذبات کے ماتحت یہ عظیم ترین ملک ہمیشہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور رجواڑوں میں منقسم رہا۔
انگریز نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ زمین کی پوجا کرنے والی پست ہمت قوم وطن پرستی کے قعر سے نکل کر آسمان انسانیت اور روحیت انسانیہ کے اوج کمال کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔ وطن کی زمین میں رہائش نصیب ہو جانا ہی اس قوم کے مطمئن ہو جانے کے لئے کافی ہے۔ اسلئے انگریز حصول اقتدار کے بعد ہندو قوم کی طرف سے چنداں تو فکرمند نہ تھا۔ مگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ اس کے سوہان روح تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمان قوم کا نظریہ وطن پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہے۔ وہ کسی خاص ملک کو اپنا وطن نہیں سمجھتا بلکہ اس کا نظریہ یہ ہے کہ ؎

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

عہد رسالت کی ۲۳ سالہ تاریخ پھر خلافت راشدہ کا تیس سالہ زمانہ اور اس کے علاوہ مسلمانوں کی ہزار سالہ حکمرانی کا دور اس کے پیش نظر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ انسانیت کے علمبردار مسلمان قوم زمین کی پستی میں رہ کر آسمان کی بلندیوں پر نظر رکھتی ہے۔ یہ قوم حجاز مقدس کی خشک پہاڑیوں اور عرب کے وسیع ریگستانوں سے اٹھی اور ساری دنیا پر چھا گئی، جس نے اقوام عالم کو قید غلامی سے آزاد کر دیا، وہ خود غلامی کی زنجیروں میں کیونکر باندھی جا سکتی ہے۔

انگریز نے ان تصورات سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ اس قوم کو اس وقت تک قابو نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے اس جوہر انسانیت کو مغلوب نہ کر دیا جائے جو اس کے دماغ میں جہاد اور حکمرانی کا جذبہ پیدا کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ اس کے دین پر کوئی پابندی عائد کر کے اسے اپنے سانچے میں ڈھالا جائے، تو یہ غیور قوم کسی حال میں اس کو برداشت نہیں کرے گی۔ اسلئے اس نے مسلمانوں کے مذہبی افعال و اعمال پر کوئی ایسی پابندی نہیں لگائی جو انھیں ناگوار ہے، مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں نماز، روزہ، حج زکوٰۃ سب چیزوں کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے عجیب طریقہ سے کام لیا کہ بقول شخصے "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔ اور وہ طریقہ یہ تھا کہ انگریز نے اسلامی معاشرہ کے ہر گوشہ اور مسلمان قوم کی زندگی کے ہر شعبہ میں مغربیت اور عیسائیت کے زہریلے جراثیم کو اس طرح پیوست کر دیا کہ مسلمان قوم کی اکثریت اسلام کے لئے ننگ و عار ہو گئی۔ اور اس کا جوہر انسانیت مغرب زدہ ہو کر بہیمیت اور حیوانیت کا شکار ہو گیا۔ اس بیان سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم مغربیت سے متاثر نہیں ہوئی یا یہ کہ تمام افراد یکساں طور پر متاثر ہوئے۔ نہیں بلکہ میرا مقصد صرف مسلمانوں کے تاثر کو ظاہر کرنا ہے۔ دوسری قوموں سے میں اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتا اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مغربیت کے وہ اثرات

تمام افراد میں یکساں ظاہر نہیں ہوئے، بلکہ ان کا ظہور مختلف نوعیتوں سے ہوا بعض افراد مغربیت زدہ ہو کر لادینی کا شکار ہو گئے۔ بعض اخلاقی طور پر متاثر ہوئے کچھ لوگ مذہبیت کے دائرے میں رہتے ہوئے مغربیت کے اس طوفان میں اپنے جذبات کی قوتیں کھو بیٹھے اور ان کی طبیعتوں پر جمود و خمود طاری ہو گیا بعض طبیعتیں ذہنی طور پر اس طرح متاثر ہوئیں کہ ان کے خالص اسلامی نظریات میں مغربیت کا رنگ پیدا ہو گیا اور ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی رہے جن کی پاک طبیعتوں پر اس طوفان کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تاریکی کے اس دور میں بھی آسمان ہدایت کے تارے بن کر چمکتے رہے۔

انگریز کے دور حکومت کی خصوصیات پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ غیر ملک میں آ کر اس کے باشندوں کو اپنے سانچہ میں ڈھال لینا۔ ان کی فطری صلاحیت اور قدیم ذہنیت پر چھاپہ مار کر ڈیڑھ سو برس تک اپنی غلامی کی زنجیروں میں باندھے رکھنا اور جاتے وقت غیر شعوری طور پر مفلوج کر جانا انگریز حکومت کی وہ خصوصیت ہے جس کی مثال بمشکل ملے گی۔

غلامی اور محکومیت کی قید سے نکلنے کی طاقت کسی میں ہو یا نہ ہو مگر چونکہ وہ ایک غیر فطری چیز ہے اس لئے اس کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات کا ہر محکوم اور غلام کے دل میں پایا جانا لازمی امر ہے۔ اس اصول کے ماتحت ہندوستان کے باشندوں نے بھی انگریزوں کی قید غلامی سے نکلنے اور آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ہر ایک کی جدوجہد اس کے نظریہ کے مطابق تھی۔ وطن پرستوں نے آزادی کی جدوجہد وطن کے لئے کی اور خدا پرستوں نے خدا کے لئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جن لوگوں کا مطمح نظر جاہ و مال اور حصول اقتدار تھا انھوں نے اپنے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر آزادی کے لئے حرکت شروع کی۔ گویا مشرب کا ایک تھا مگر منزل مقصود ہر ایک کی جداگانہ: آزادی کا مفہوم تو یہی تھا کہ ہمارے جائز فطری مقاصد بلا تکلف پورے ہوتے رہے مگر چونکہ خلل پذیر مزاج انسانیت کے لئے ناجائز امور کا جائز اور غیر فطری تقاضوں کا فطری قرار پا جانا محض واقعی تعجب نہیں۔ اسلئے اگر غیر معتدل اور مخبط مزاج رکھنے والے انسان افراد سبعی بہیمی اور حیوانی جذبات و خواہشات کو اپنی طبیعت ثانیہ بنا لیں انھیں کے بلا تکلف پورا ہونے کے لئے سر توڑ کوششوں کا نام حصول آزادی کی جدوجہد رکھ لیں تو کچھ بعید نہیں۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہمیں اس بات پر بھی ذرا تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے رہنے والے انسانوں بلکہ بعض مسلمانوں نے بھی انگریز کی غلامی سے نکلنے کیلئے جو کوشش کی اس میں للہیت اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے بجائے وطن پرستی اور حصول جاہ و اقتدار کا جذبہ کیوں پایا گیا؟

مختصر یہ کہ غلامی کی قید و بند سے نکلنے کیلئے سب نے ہاتھ پاؤں مارے۔ ایک دوسرے سے مختلف نظریات و جداگانہ مقاصد اپنے ذہنوں میں لئے ہوئے حصول آزادی کی راہ میں علم آزادی لہرائے۔ اور انقلاب

زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے دوش بدوش چلتے رہے۔ کوئی حصول پاکستان کا نعرہ لگاتا اور کوئی اکھنڈ بھارت کا۔ کوئی کہتا کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں۔ اس کے بعد ہندو یا مسلمان۔ کوئی کہتا کہ میں پہلے مسلمان ہوں۔ اس کے بعد ہندوستانی۔ بالآخر یہ نظریاتی اختلافات رنگ لایا۔ اکھنڈ کا پاکھنڈ ہو گیا۔ اور وطن پرستوں نے اسی کو اپنا غایت و مقصود سمجھ کر غنیمت جانا اور پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں نے بھی اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

اس مختصر مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں اُن خونی واقعات کی تفصیل بیان کروں جو تقسیم ملک کے ضمن میں ظہور پذیر ہوئے۔ دنیا کی تاریخ اس خونی انقلاب کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ جس میں کسی قوم کے لاکھوں افراد بغیر کسی جرم کے بیک وقت انتہائی بے رحمی، سفاکی اور بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے ہوں اور ہزاروں بے گناہ معصوم بچوں کو خونخواری اور درندگی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا گیا ہو۔ بے قصور پاکدامن عورتوں کی عصمت و عفت برباد کر کے انھیں ایسے خوفناک اور ناقابل تصور طریقوں سے قتل کیا گیا ہو کہ جو انسانیت کیا حیوانیت کیلئے بھی باعث ننگ و عار ہے۔ لاکھوں انسانوں کا تباہ و برباد ہو کر بے کسی اور مظلومیت کے حال میں ترک وطن کرنا وحشت و بربریت، خونخواری و درندگی کی تاریخ میں وہ پہلا واقعہ ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

نیز سر دست میں اس بحث میں بھی نہیں پڑنا چاہتا کہ قیام پاکستان کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں، ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ تیس۳۰ کروڑ ہندوؤں کی مخالفت قیام پاکستان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی لیکن مسلمان کہلانے والی مسلح بھر جماعت نے ہندوؤں کا ساتھ دے کر پاکستان کو وہ نقصان عظیم پہنچایا جس کو صدیوں تک ہماری نسلیں نہیں بھول سکیں۔

باقی تمام تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف مسئلہ کشمیر کو سامنے رکھ لینے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اگر شیخ عبداللہ، غلام محمد بخشی اور ان ہی جیسے اللہ اکبر کے نعروں سے گھبرا کر بندے ماترم کے گیت گانے والے ہندوؤں کا نمک خوار بھارتی ایجنٹ ملت اسلامیہ کے ساتھ غداری نہ کرتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ آج وادی کشمیر کے کسی گوشہ میں کوئی مسلمان ہندوؤں کا غلام ہوتا؟

؎ من از بیگان گاں ہرگز نہ نالم
که با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

حصول آزادی کے بعد اس کی بقا کے لئے ملکی استحکام کا مرحلہ سامنے آتا ہے جس کے ضمن میں سب سے پہلا نمبر ملک کا دستور و آئین ہے۔

نگارشِ عرفانی حسینی صابری

اہلسنت اور تحریکِ آزادی

علماء کے فتاویٰ کی حقیقت اور ضرورت

ہفت روزہ صحافت لاہور کی ایک اشاعت میں محترم نعیم اختر صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جسکا عنوان تھا۔

کیا جمیعت علماء پاکستان بھی پاکستان دشمن جماعت ہے۔ اس کے بعد مضمون نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بریلوی مکتب فکر نے جس کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی ہیں، مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت کی ہے۔ اس کے پیشواؤں اور علماء نے تقسیم سے قبل تحریک پاکستان کی شدید مخالفت کی قائد اعظم کو کافر کہا علامہ اقبال اور دوسرے مسلم زعماء علماء کے خلاف کفر کے فتوے دیئے موصوف نے آخر میں مولانا شاہ احمد نورانی سے دریافت کیا ہے۔ کہ وہ امام کعبہ اور امام مسجد نبوی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز کیوں نہیں سمجھتے اس کا جواب خود مولانا نورانی صاحب یا جمیعت کا کوئی اور فرد ہی بہتر طور پر دے سکتے ہیں۔

لیکن ایک سنی مسلمان ہوتے، بریلوی مکتبہ فکر سے وابستہ ہوتے، اور پاکستان کا ایک شہری ہونے کے رشتے سے رقم الحراف (نگار عرفانی) پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اظہار رائے کرے

بریلوی مکتبِ فکر کا مسئلہ

فاضل مضمون نگار نے پاکستان دشمن جماعتوں کے مسئلے کے بعد دو بڑے گروہوں، دیوبندی اور بریلوی کے متعلق لکھا ہے۔

دیوبندی علماء کی مخالفت پاکستان تو اظہر من الشمس ہے اور وہ تقسیم کے بعد ہندوستان ہی میں رہ گئے لیکن مضمون نگار نے بتایا ہے۔ کہ دیوبندی علماء کرام نے پاکستان کی حمایت نہیں کی البتہ ان کی صفوں میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کی پُرزور حمایت کی اور یہ انکا ذاتی فعل تھا۔ جسے پورے دیوبندی مکتبِ فکر پر لاگو نہیں کیا جاسکتا جو اپنی سیاست کے لیے جمیعت علماء ہند کو پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرتا تھا

دیوبندی مکتبِ فکر کی بابت اظہارِ خیال کرنے کے بعد، فاضل مضمون نگار نے تقسیم سے قبل کے علماء نے بریلوی مکتبِ فکر پر یہ الزامات عائد کیے ہیں۔

۱۔ بریلوی مکتبِ فکر کے پیشوا اور علماء بھی مسلم لیگ اور پاکستان کے شدید مخالف رہے ہیں۔

۲۔ علامہ اقبال کو بعض بریلوی علماء نے نیچری کہا اور ان کے خلاف کفر کا فتوٰی دیا نیز اہلِ سنت کے دوسرے مکاتبِ فکر کو کفر و کذب کا ہدف بنایا اور بیشتر کو کافر قرار دیا۔

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے بلاشبہ، بڑی حد تک، بریلوی مکتبِ فکر کے پیشوا اور علماء کی سوچ مسلم لیگ کے متعلق دوسرے مسلم مخالفین سے مختلف نہیں تھی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں (یا آج کے ہندوستان اور پاکستان میں) اس برصغیر پر اہلِ سنت مسلمانوں کی اکثریت آباد چلی آرہی ہے جو ان تصورات کی حامل ہے جنہیں مجموعی طور سے عہدِ برطانیہ میں بریلوی مکتبِ فکر کا نام دیا گیا۔ یہی لوگ مسلمان کہلاتے ہیں اور تقسیم کے وقت بے شمار انسانی جانوں کی قربانی سب سے زیادہ انہوں نے دی اس لیے کہ ان ہی کی تعداد زیادہ تھی۔ اور انہی کو ہندو فرقہ پرستوں نے اصل مسلمان سمجھ کر قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا اور لاکھوں کو بے گھر کر کے پاکستان کی طرف دھکیل دیا تھا۔ جنہیں بانئ پاکستان نے پاکستان آنے کی دعوت دی تھی۔ اور پھر حکومتِ پاکستان نے ۱۹۵۰ء میں ایک ایکٹ کے ذریعہ، ان مہاجرین کو اس مملکت کا مکمل اور برابر کا شہری تسلیم کیا ہے۔ پھر یہ پاکستان کے صوبوں میں آباد ان برادری میں بھی غالب اکثریت اہلِ سنت کی ہے اور ان میں بریلوی مکتبِ فکر کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور یہی اہلِ سنت پاکستان کی اصل آبادی ہیں۔ یہ پنجابی، پٹھان، بلوچی، سندھی اور مہاجر ہونے کے باوصف اہلِ سنت مسلمان بھی ہیں۔ اور اسلام ہی ان کے درمیان قدرِ مشترک ہے۔ جو مملکتِ اسلامیہ پاکستان کے نظریئے کی بنیاد ہے۔

علماء کے فتاویٰ کی حقیقت اور ضرورت

جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے۔ کہ بریلوی مکتبِ فکر نے فلسفی شاعر، علامہ اقبالؒ کو سیچری کہا اور ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا، نیز اہلِ سُنت کے دوسرے مکاتیبِ فکر کو کفر و کذب کا ہدف بنایا، اور بیشتر کو کافر قرار دیا۔ ان فتاویٰ کی ضرورت یقیناً تھی اور ان کا فائدہ زیادہ ہوا اور نقصان کم؛

یہاں ہم پہلے علامہ اقبالؒ کے خلاف فتوے کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اُردو شاعری میں ابتدا ہی سے ایسے خیالات و تخیلات استعمال ہوتے آرہے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں، مثلاً شیخ و رند کا تنازعہ، شاعر سے آسمان کی دشمنی، وغیرہ، غالب کے یہاں بے شمار اشعار کفر و الحاد اور تعلیماتِ اسلام سے انحراف پر مشتمل ہیں مگر علماءکرام نے اس طرف توجہ نہیں دی جبکہ سابق شعراء محض غزل گو تھے اور وہ شعر برائے شعر کہا کرتے تھے۔ اور ان کا کلام زیادہ لوگوں تک نہیں پہنچتا تھا اس کے برعکس علامہ اقبالؒ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تحریکی شاعر تھے۔ ان کا ایک فلسفۂ حیات تھا اور وہ مسلمانوں کی ابتر حالت پر آنسو بھی بہاتے تھے۔ ان کا کلام اخبارات و جرائد کے ذریعہ سارے ہندوستان میں پڑھا جاتا تھا اور مقبولِ عام و خاص تھا۔ اس لیے یہ یقینی امر تھا۔ کہ علامہ اقبالؒ کے افکار خواہ وہ اسلام کے مطابق ہوں یا اس کی بعض تعلیمات کے منافی ہوں، لوگ ان کا اثر قبول کر سکتے تھے۔ اس لیے علماءکرام نے اقبالؒ کو تنبیہ کرنے کے لیے فتویٰ دے دیا۔ اس کا دو طرفہ مقصد یہ تھا۔ کہ علامہ اقبالؒ اسلام کے معاملہ میں اپنی روش شریعت کی حدود میں رکھیں اور عوام ان کے خلافِ شریعت افکار کا اثر قبول نہ کریں۔ اس کے برعکس یہ بھی تو ممکن تھا کہ اگر علامہ صاحب کو فتوے کے ذریعے تنبیہ نہیں کی جاتی تو پھر شعر و شاعری کے باب میں کفر و الحاد گوئی کا دستور عام ہو سکتا تھا۔ اسی لیے کسی فتوے کو طعنہ و تشنیع کا ہدف نہیں بنانا چاہیے!

حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ ایک فلسفی شاعر تھے اور انہوں نے اپنے فلسفیانہ افکار کو اشعار کے ذریعہ پیش کیا جو اردو میں ایک نیا تجربہ تھا۔ ان میں بیشتر اشعار ایسے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے مکالمے دیئے گئے ہیں ان میں شکوہ و شکایت بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب بھی۔ ایسی صورت میں علماء اسلام کیسے خاموش رہ سکتے تھے اسلام میں اللہ تعالیٰ سے ایک بندہ نا چیز کی آزادانہ گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں اسلام سراسر فرماں برداری اور اطاعت، اور صبر و شکر کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ مجسم رحمت و رحیم ہے تو اس سے شکوہ و شکایت کرنا علماء کے نزدیک صرف بے ادبی و گستاخی ہے جس کا علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں خود بھی اعتراف کیا ہے پھر یہ کہ شاعر خود ہی شکوہ کرتا ہے اور سوال کرتا

ہے۔ اور پھر خود ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب نظم کر دیتا ہے۔ یہ جواب از روئے شریعتِ اسلامیہ صرف وحی کے ذریعہ آسکتا ہے اور وحی کا سلسلہ نبی آخر الزماں محمدؐ پر ختم ہو گیا۔ شدید دینی ذہن کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ کے خلاف فتوے کی ضرورت تھی مگر ہمارے علماء کرام شاعر کی وجدانی کیفیت کا اعتراف کر لیتے تو کچھ وسعتِ نظر سے کام لیتے بہر حال، یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی علماء کرام مسجد کے منبر پر اور محفلوں میں علامہ اقبالؒ کے اشعار جھوم جھوم کر سناتے ہیں، اور ان کے پسندیدہ شاعر دو ہی تو ہیں، ایک مولانائے روم اور دوسرا علامہ اقبالؒ۔

اب چونکہ ہمارے علماء کرام اور مولوی حضرات پر یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی احکام کی تشریح کریں، اسی طرح جیسے ایک وفاقی جمہوری ڈھانچے میں عدلیہ آئین کی تشریح کرتی ہے۔ جب بھی کوئی مسلمان یا گروہ، تعلیمات اسلامی میں سے کسی ایک شق کی بھی غلط تشریح کرتا ہے یا اسلام کی کسی تعلیم سے انحراف کرتا ہے یا اس کے افکار و اعمال سے عامۃ المسلمین میں کوئی غلط روش یا انتشار پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے تو عالم دین، مفتیٔ شریعت یا مولوی کا یہ اسلامی فرض ہوتا ہے کہ وہ یہ قطعی پروا نہ کرے کہ یہ شخص سلطانِ وقت ہے۔ یا ایک عام شہری، ایک طاقتور گروہ ہے یا معمولی سے افراد، متکلم ہے یا فلسفی، شاعر ہے یا ادیب، مذہبی پیشوا ہے یا سیاسی رہنما، بس وہ ایسے شخص یا گروہ کو اس کی غلطی محسوس کراتے ہیں اسے تنبیہ کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین کی آگاہی کے لیے فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے علماء اور مفتیانِ شریعت، اپنے تمام علم و کمال اور خلوصِ نیت کے باوصف، فیصلہ و فتوے جاری کرنے میں کچھ عجلت سے کام لیتے ہیں اور کسی کو بھی معاف نہیں کرتے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علماء کسی سے متعلق فتویٰ جاری نہ کریں۔

اسلامی معاشرے میں فتویٰ جاری کرنا اور فتویٰ حاصل کرنا، دونوں بہت ضروری ہیں، کیونکہ فتوے سے رہنمائی ملتی ہے۔ ایک فرد جب اپنی معاشرتی یا خانگی زندگی میں کسی الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ مثلاً وراثت کی تقسیم یا طلاق کا تنازعہ، ایسی صورت میں اُسے یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ کسی مفتیٔ شریعت سے فتویٰ حاصل کرے گویا یہ رہنمائی حاصل کرے کہ اس معاملہ میں از روئے شریعتِ اسلامیہ اُسے اور فریقین کو کیا کرنا چاہیے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں نے علماء سے رجوع کرنا اور فتوے حاصل کرنے کی اسلامی روایت کسی حد تک نظر انداز کر دی ہے۔ اور ہر تنازعہ کے لیے ملک کی عدالت مجاز سے رجوع کرتے ہیں جہاں برسوں فیصلے نہیں ہوتے اور بے شمار رقم صرف ہوتی ہے اور اکثر مدعی اور مدعا علیہ، دونوں ہی قلاش ہو جاتے ہیں۔

اِسی طرح مسلمانوں کا کوئی گروہ یا طبقہ، جب کسی مذہبی و سیاسی، تہذیبی یا ثقافتی مسئلے میں الجھ جاتا ہے۔ یا وہ دین میں کوئی اختراع کرتا ہے۔ یا دین کی تشریح میں غلطی کرتا ہے۔ اور گمراہی کی سرحد تک پہنچ جاتا ہے تب علماء کرام اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ اور فتوے جاری کر کے صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال علماء پاکستان کا ایک فتویٰ ہے۔ جو سال ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات سے قبل سوشلزم کے خلاف متفقہ طور پر جاری کیا گیا تھا تاکہ مسلمان عوام سوشلزم کے غیر اسلامی تصورات سے گمراہ نہ ہوں اور جو سوشلزم کے حامی ہوں اپنی اصلاح کر لیں اور اسلام کے تصورات سے روگردانی نہ کریں بلکہ اُن سے روشنی حاصل کریں۔

اسلامی فتوے اور مغربی فکری ارتقا

اسلام نے رہنمائی و اصلاح کا یہ حق، صرف اُن علماء کرام کو دیا ہے جو تسلیم شدہ درس گاہوں سے تعلیم و تربیت پا کر، دینی تعلیم کی سند اور دستارِ فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ اور مسلم معاشرے میں عالمِ دین اور مفتیِ شریعت کہلاتے ہیں، اسلامی حکومت ہو یا نہ ہو، البتہ جہاں بھی مسلمانوں کی بستی ہوتی ہے۔ مسلمان اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں صدیوں سے ان علماء کرام سے بذریعہ فتاویٰ رہنمائی حاصل کرتے آ رہے ہیں، بالعموم لوگ ان سے رجوع کیا کرتے ہیں۔ یا جب وہ خود کسی فرد یا گروہ کو اسلام سے سرکشی یا انحراف کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ اور جس سے اسلامی معاشرے میں، نفاق و انتشار، کفر و ارتداد، سرکشی و بے دینی پھیلنے کا امکان ہوتا ہے۔ تو وہ از روئے شریعت اسلامیہ فتویٰ جاری کر دیتے ہیں، جو اس صورتحال کا ایک جامع و مدلل بیان ہوتا ہے۔ جس کا اسلام نے انہیں حق دیا ہے۔

یہ مستند علماء اور مفتیانِ دین، قاضی اور عدالت کا درجہ رکھتے ہیں۔ خواہ ملک دار السّلام ہو یا دار الحرب اسلامی حکومت ہو یا نہ ہو، البتہ مسلمانوں کی آبادی ہونا ضروری ہے جو اپنے معاملات و مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ یہ رہنمائی اکثر فتوے کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ فتوے عالمِ اسلام کا بہت قیمتی سرمایہ ہیں۔ قرآنِ پاک، حدیث نبویؐ، فقہ، اجتہاد اور اجماعِ امت کے ذرائع کے بعد علمائے کرام کے فتاویٰ، ایک معاشرے میں، اسلامی فکر و عمل کی سمت مقرر کرنے کے لیے نہایت ضروری اور مددگار رہے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ اسلامی دُنیا میں یورپ کی طرح مذہبی عقائد، سیاسی افکار اور اداروں کا ارتقا نہیں ملتا اور نہ ہی عالمِ اسلام میں مغربی انداز کا جمہوری و فکری ارتقا ملتا ہے۔ اہلِ مغرب کی ڈھائی ہزار سالہ فکری تاریخ میں سقراط، افلاطون اور ارسطو سے لے کر موجودہ دَور کے عظیم فلاسفر برٹرینڈ رسل، آرنلڈ ٹوئن بی اور سی ای ایم جوڈ تک، جو فکری ارتقا ملتا ہے۔ اس میں مذہب و سیاسی افکار کی آزادی

کے نام پر قتل و غارت گری اور جیل خانوں کی طویل اور ہولناک داستانیں ملتی ہیں۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور فتوے پر نام دھرا جاتا ہے۔ جبکہ تاریخ میں اسلام انگلستان کی خونی ملکہ میری ٹیوڈر جیسی شخصیت نہیں ملتی جس نے ایک دن میں تین سو پروٹسٹنٹوں کو زندہ جلوا دیا تھا۔ اور پیرس کے عظیم قتلِ عام جیسے واقعات نہیں ملتے کہ جب ایک دن میں مسیحیوں نے ۴۰ ہزار مسیحیوں کو اختلافِ عقیدہ کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔

اسلامی معاشرہ اور مغربی دنیا میں یہ فرق ہے کہ مغرب نے فرد اور جماعت کو فکر اور اظہار کی قطعی آزادی دے رکھی ہے اور انہیں خدا کے احکام اور پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات سے بغاوت کرنے کا حق بھی دے دیا ہے اس کے برعکس اسلام میں قرآن و سنت کی بنیاد پر، اور انہی حدود میں فرد اور جماعت کے لیے فکر و عمل کی تمام راہیں کشادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عالمِ اسلام کے تمام مفکر، مورخ اور ادیب محدث و فقیہ، مفسر و معلم قرآن ہر ایک نے مثلاً علامہ اقبالؒ نے، دائرہ اسلام میں رہ کر اپنے افکار کا اظہار کیا ہے۔ اور کوئی بات ایسی نہیں کہی جو اسلام کی تعلیمات کے منافی ہو بلکہ انہوں نے ہر دور کی تحریکات و افکار کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھ کر مسترد یا قبول کیا ہے۔ مگر یونانی و یورپی فلاسفروں کی طرح بے راہ روی اور خود سری اختیار نہیں کی۔

یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ علم و عقل کے وہ تمام راستے جو انسان کو سرکشی اور بغاوت کی طرف لے جاتے ہیں، اسلام نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے انحراف کو سرکشی اور بغاوت کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حاکم وقت کے خلاف حق بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ حاکم وقت اس اظہار کو سرکشی یا بغاوت کہے۔ غلطی پر حاکم وقت ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ فرمانبرداری اور اطاعت کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ اور صاحبِ تقویٰ حاکم وقت ہوتا ہے۔ اس لیے علماءِ کرام کے فتوے ایک ایسے حاکم وقت کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں جس نے کسی معاملہ میں کتاب و سنت کی پیروی ترک کر دی ہو۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور اس کی اساس وحیِ ربانی ہے۔ یہ عقل نہیں کہ جو اسلام کی تصدیق کرے بلکہ یہ اسلام (وحی الٰہی) ہے کہ جو عقلِ انسانی اور اس کے فیصلوں کی تصدیق کرے اور یہ دیکھے کہ عقل کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں۔ یا نہیں؟ اس لیے مفتیانِ دین کے فتوے، ان کی ذاتی رائے نہیں ہوتے جبکہ وہ شریعتِ اسلامیہ کی حدود میں رہ کر شرعی فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اور ایسی فتاویٰ کا احترام کرنا اور ان کو صحیح جاننا ایک مسلمان کا فرض ہے۔ اور ان فتاویٰ کا مذاق اڑانا یا ان کو ہدفِ تنقید یا سامانِ مزاح بنانا کسی طرح زیب نہیں دیتا:

افسوس کہ مولوی اور فتوے بھی ہمارے معاشرے میں گالی بن گئے ہیں۔ مولوی تو ملا بن گیا اور فتویٰ حسرت کا پلندہ ٹھہرا ایک زمانہ تھا۔ کہ ان فتاویٰ کو جمع کیا جاتا۔ ان کی تدوین کی جاتی اور محفوظ رکھا جاتا اور معاملاتِ زندگی میں ان کا حوالہ دینا معیارِ قابلیت سمجھا جاتا تھا۔ الفتح پی ایل ڈی (پاکستان میگل ڈیسیزنز)

بہت قیمتی اور ضروری بھی جاتی ہے اور عدالتِ مجاز میں ان کے حوالے مقدمہ جیتنے کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے انگریز کی غلامی کے دوران ہمیں اسلام اور اپنے اسلاف کی بہت سی باتوں سے نفرت سکھائی گئی ان میں مولوی اور فتوی شامل ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا۔ کہ اسلام کی ہر صدی کے فتوے سلسلہ وار جمع کیے جاتے اور ان کی بنیاد پر یہ تحقیق اور ریسرچ کی جاتی کہ اسلام کے کس عہد میں مسلمانوں میں کس قسم کی انفرادی، گروہی یا جماعتی سطح کی غلطی یا انحراف ہوا ہے۔ اور اس غلطی یا انحراف کی تشریح، فتوے دیکر اس وقت کے علمائے حق نے کس طرح کی اور اسلامی احکام بیان کرکے متاثر ہونے والے عامۃ المسلمین کو اس گمراہی سے کسطرح بچایا۔

حاصلِ بحث یہ ہے۔ کہ اگر علمائے اسلام دیوبندی اور بریلوی اور محدود سطح پر بریلوی مکتبِ فکر کے علماء نے علامہ اقبالؒ، قائداعظم اور بے شمار شخصیات اور متعدد گروہوں کے خلاف اگر فتوے دیئے ہیں تو ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔

کہ یہ فتوے اسلام کی روشنی میں، مسلمانوں کی بہتری کے لیے لکھے گئے △ ان فتووں کے ذریعہ ان افراد اور گروہوں کو بھی فائدہ پہنچا اور انھیں اپنی اصلاح کرنے کا موقع ملا، جن کے خلاف یہ جاری کیے گئے تھے △ ان افراد اور گروہوں کی فکری غلط روش سے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچتا وہ اس سے بچ سکتے تھے، آیا وہ بچ گئے یا حالت گمراہی میں بڑھ گئے △ ایک مسلمان فرد یا مسلمان قائد کو کن افکار سے گریز کرنا چاہیئے △ مسلم افکار کے ارتقاء کی سمت مقرر کرنے میں کیا مدد ملتی ہے △ فتاوٰی، اسلامی معاشرے میں قانونی ضابطے کا درجہ رکھتے ہیں۔

ایک مسلمان فرد یا گروہ کا یہ فرض ہے۔ کہ اگر فتوے کے ذریعہ اُسے۔ اس کی کسی غلطی یا گمراہی سے آگاہ اور متنبہ کیا جائے۔ تو اسے یہ رہنمائی قبول کرلینی چاہیئے، اپنی اصلاح کرلینا چاہیئے نہ کہ دین کی صفوں میں نفاق و انتشار پھیلانے پر بضد رہے۔ رقم الحروف کا خیال ہے۔ کہ اگر سرسید احمد خان، حالی، شبلی، اقبال، قائداعظم، حسن نظامی وغیرہ کے خلاف فتوے، بروقت، جاری نہ ہوتے تو اس امر کا امکان تھا۔ کہ یہ لوگ اپنے اپنے افکار کی آزادانہ روش سے گمراہ ہو جاتے اور پھر نتیجہ ہیں، ان کے افکار کی اشاعت سے عامۃ المسلمین بھی گمراہ ہوتے۔ ان حضرات نے مولوی صاحبان کے فتوے کا یقیناً برا منایا ہوگا۔ لیکن تنہائی میں اپنے ضمیر کی آواز سن کر اپنے عقائد و افکار کی سمت یقیناً صحیح کرلی ہوگی۔ اور پھر اس کج روی کو ترک کردیا ہوگا۔ اور وہ اسلام کے معاملات و تعلیمات کی تشریح میں زیادہ محتاط ہو گئے ہوں گے۔ اور ہوا بھی یہی کہ گروہ قادیان کے سربراہ

کسی نے بھی اپنے کفر و گمراہی پر ضد نہیں کی ۔ رہا یہ مسئلہ کہ تقسیم سے قبل مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف بھی کفر کے فتوے جاری ہوئے۔ اس سلسلہ میں، راقم الحروف نے فتاویٰ کا ایک مفصل پس منظر بیان کر دیا ہے۔ اور اس میں ان فتاویٰ کی ضرورت و حقیقت کا فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

اہلِ سنت کی صفوں میں اختلاف اور گروہ بندی۔

جب ۱۹ویں صدی میں ہندوستان کے مسلمان اور ہندو، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکام ہو گئے اور بدیسی انگریز برِ صغیر ہند پر قابض و حکمران ہو گئے تب اتنے بڑے ملک میں جہاں اتنی قومیں اتنی بولیاں اور اتنے سارے مذاہب تھے حکمرانی کرنے کے لیے ان سامراجی انگریز آقاؤں نے یہاں بہت سے طریقے اختیار کیے تھے ان میں ایک موثر ترین حربہ یہ بھی تھا۔ کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" انگریزی حکومت نے اس معاملہ میں مسلمان اور ہندو کسی کو نہیں بخشا۔ ہندوؤں میں برہمو سماج اور آریہ سماج کے فرقے پیدا کئے گئے۔ اور انہیں آپس میں خوب لڑایا گیا۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے جن مسلم ہند سے اقتدار چھینا تھا۔ وہ اہلِ سنت مسلمان تھے۔ اور سارے ملک میں ہندوؤں کے مقابلہ میں موثر اقلیت تھے اور مسلمانوں میں غیر اہلسنت، مخصوص عقائد و نظریات رکھنے والوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ جو آج بھی نہایت قلیل اور محدود اقلیت میں اور ان کی تعداد دونوں ممالک میں چند لاکھ ہے۔ اس لیئے انگریزوں نے اکثریتی اہلِ سنت مسلمان آبادی اور ان کے علماء کو نشانہ بنایا اس وقت تک ہند کے اہلِ سنت مسلمان آبادی اور ان کے علماء کو نشانہ بنایا اس وقت تک ہند کے اہلِ سنت میں کوئی علیحدہ گروہ نہ تھا۔ اسلیئے انگریز حکمرانوں نے اہلِ سنت کی صفوں میں اختلاف و انتشار پھیلانے کا کام کیا۔ تاکہ مسلم ہند کی اہلِ سنت آبادی کی مجموعی قوت تقسیم ہو کر کمزور ہو جائے۔ اور جب وہ انتشار کا شکار ہو تو سامراجی انگریز انہیں با آسانی اسلام اور اسلامی طرزِ حیات سے ہٹا سکیں جس کے تحت وہ صدیوں سے زندگی بسر کرتے آ رہے تھے۔

اتفاق سے انگریزوں کو خلافتِ اسلامیہ کے زوال کے دوران، سعودی عرب میں ابن عبد الوہاب نجدی کے ان خیالات و اقدامات کا علم ہوا جو اس نے بلادِ عربیہ میں کیے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کو مبینہ قبر پرستی اور اوہام سے نجات ملے جو ان میں صدیوں کی راسخ العقیدگی کی بنیاد پر پیدا ہو گئے تھے۔ اسلام میں یہ گنجائش تو ہے کہ کوئی شے اس لیئے باعثِ احترام و تعظیم ہے، کہ وہ کسی پیغمبر، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ولی یا بزرگ کا کوئی ورثہ ہے۔ مگر اسلام میں اس بات کی قطعی گنجائش نہیں کہ وہ شے باعثِ پرستش بن جائے نہ ہی کبھی عالمِ اسلام کے کسی خطے میں ایسا ہوا۔ کہ مسلمانوں نے اپنی جہالت یا دین سے بے خبری کی وجہ سے کسی مقدس ورثے

یا مزار یا درگاہ یا خانقاہ کو مسجد بنالیا ہو اور نہ ہی کسی دور میں کہیں بھی مسلمانوں میں مشرکانہ پرستش کا کوئی طریقہ رائج ہوا البتہ بعض مزارات اس معنی میں زیارت گاہ ضرور ہیں کہ صاحبِ مزار کی روح کو فاتحہ خوانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے قرآن خوانی ہوتی ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے اور مسجد اور مزار کے احاطے سے دور اور باہر، اکثر محفلِ سماع یا محفلِ میلاد شریف ہوتی ہے۔ یہ اجتماع، ان مزارات پر اس لیے ہوتا ہے، کہ ان بزرگانِ دین نے اسلام کی اشاعت کی ہے اور اسلام کی خدمت ہی کی بدولت یہ مرتبہ پایا کہ اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوست کہلائے، اور عوام انھیں یاد رکھتے ہیں، اور دل سے ان کا احترام کرتے ہیں۔ مولانائے رومؒ کے ایک شعر کے مطابق، اہلِ سنّت میں یہ خوش اعتقادی چلی آرہی ہے، کہ علماء و فقہا کی صحبت میں سو سال گذارنے سے یہ بہتر ہے، کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لمحہ گذارا جائے۔

انگریزی حکومت کی یہ سب باتیں دیکھیں اور یہ بھی دیکھا کہ ہندوستانی اہلِ سنّت، اسلام کے مراکز مکہ و مدینہ، بغداد و قسطنطنیہ سے بہت دور رہتے ہیں، نیز اس خطہ ارض پر اسلام کی اشاعت علماء و فقہا اور سلاطین کی بجائے اولیاء اللہ نے کی جن کے مزارات، درگاہیں اور خانقاہیں، ہند کے ہر مرکزی شہر اور قصبے میں ملتی ہیں یہاں علاقے کے اہلِ سنّت عرفِ عام میں حاضری دیتے ہیں، فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، یہاں سالانہ عرس اور میلے ہوتے ہیں اس لیے یہ مزارات و خانقاہیں، عامۃ المسلمین کو اسلام سے وابستہ رکھتے ہیں ان اجتماعات کی بدولت ایک ہندی مسلم ثقافت نے فروغ پایا جس طرح عربی، فارسی، پراکرت (ہندی) اور مختلف علاقوں کی بولیوں کے میل جول سے ایک نئی مشترکہ زبان اردو کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ ان بزرگانِ دین نے اسلامی تعلیمات عام کیں اور مقامی تہذیب و ثقافت، معیشت و سیاست، تاریخ و ادب پر گہرا اثر ڈالا۔ اس طرح، اہلِ سنّت نے اپنے محسن اور عظیم بزرگوں کے مزارات اور خانقاہوں کے محور پر اجتماعات کرکے، ایک مسلم ثقافت کو پروان چڑھایا۔

عجیب بات یہ ہے، کہ ہمارے بیشتر بھائی اس ملی جلی مسلم ثقافت اور اردو کو تو اپنا سرمایا سمجھتے ہیں مگر اس کے مرجع و باقیات یعنی اولیاء اللہ کی حیاتِ مبارک کو دیومالائی داستان اور ان کے مزارات اور درگاہوں کو مشرکوں کے استھان، یا تیرتھ سے کم نہیں سمجھتے یہ صرف ان کے فکری تضاد کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں!

ہندوستان میں مسلم ہند کی اس فضا میں، انگریزوں کو انتشار و نفاق کا بیج بونے میں زیادہ وقت پیش نہیں آئی۔ انہوں نے یہاں اہلِ سنّت کی صفوں میں شیخ عبدالوہاب نجدی کے تصورات کی بنیاد پر مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کو خوب ہوا دی۔ اور بالآخر وہ یہاں دیوبندی، وہابی، غیر مقلد وہابی، وہابی نجدی گروہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ ان سب گروہوں کے بنیادی عقائد اور ارکانِ دین میں کوئی فرق نہیں تھا گروہ بندی ہو گئی جس نے سوادِ اعظم، اہلِ سنّت یعنی ملّتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے۔

یہ اختلافات آگے بھی بڑھے ہیں جب مسلمانوں میں سیاسی رہنما پیدا ہوئے اور سیاسی تحریکیں شروع ہوئیں، تو انھیں بھی خاکساری، چکڑالوی، احراری اور مسلم لیگی کہا گیا، نکری رہنماؤں کو صلح کلیہ اور نیچری کہا گیا۔

اس قسم کی علیحدگی کی واضح مثال، گروہِ قادیانی ہے جو ختمِ نبوت کے عقیدے میں یقین نہیں رکھتا جبکہ نبوت نبی آخر الزماں آنحضرت محمد ﷺ پر ختم ہو گئی۔ اور قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے۔ جیسے ہی علمائے اسلام، اہلِ سنّت کو گروہِ قادیانی کے بانی اور نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد کے عقائد اور خیالات سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے اُسے غیر مسلم اور کافر قرار دے دیا، اور عام مسلمانوں نے اُن سے وہی معاشرتی تعلقات رکھے جو وہ دوسرے غیر اسلامی اور کافر گروہوں سے روا رکھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ قادیانیوں کو پاکستان قومی اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا۔ یہ قرارداد، علمائے اہلِ سنّت کے اس فتوے کا سیاسی عمل ہے جو انہوں نے گروہِ قادیانی کے آغاز کے وقت ہی دیدیا تھا راقم الحروف کے خیال میں، قومی اسمبلی کے اس فیصلے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، کیونکہ علماء اسلام اس گروہ کو پہلے ہی غیر مسلم اور کافر قرار دے چکے تھے۔ اور ان کا فتویٰ ہی انہیں کافر اور غیر مسلم قرار دینے کے لیے کافی تھا۔

اہلِ سنّت اور تحریکِ آزادیٔ ہند

یوں تو ہند کے اہلِ سنّت اور اُن کے علماء عہدِ مغلیہ کے آخری دور کے عظیم مسلم مفکر اور عالمِ دین شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتبِ فکر سے وابستہ چلے آ رہے تھے، لیکن ۱۸۵۷ء میں عہدِ برطانیہ کے آغاز کے وقت دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور علماء کے ہاتھوں قائم ہوا اُن میں مولانا قاسم نانوتوی کا نام نمایاں

ہے پھر دیوبند کے مدرسے سے نامور علماء وفقہا ابھرتے رہے یہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اُن اصلاحات اور اقدامات سے متفق تھے، جو اس نے عرب میں کی تھی، اس کے برعکس عامۃ المسلمین نے ابنِ عبدالوہاب کی اصلاحات کو قبول نہیں کیا اور مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا فضل امام خیرآبادی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد سے ایک مکتبِ فکر محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحات سے بیزار تھا، اور پھر اِن اصلاحات کے حامیوں (علمائے دیوبند) سے بھی بیزار ہو گیا چونکہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں بہت جدوجہد کی تھی، اس لیے یہ مقبولِ عام عقیدہ کا حامل، مکتبِ فکر اُن کے آبائی شہر کی نسبت سے بریلوی مکتبِ فکر کے نام سے موسوم ہوا، برصغیر کے اہلِ سنت کی بھاری اکثریت اُسی مکتبِ فکر سے وابستہ چلی آ رہی ہے۔

تحریکِ آزادی کے دوران جب برصغیر کے گوشے گوشے کے لوگ برطانوی سامراج کے خلاف صف آرا ہوئے یہ دونوں گروہ علماء اور شیوخ، انگریز کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اور ملک کی آزادی کے خواہاں تھے۔ البتہ ان سب نے مشترکہ طور پر ایک پلیٹ فارم پر سیاسی جدوجہد نہیں کی یہ مختلف جماعتوں، مسلم اور غیر مسلم وطن دوست جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے، پورے ملک میں مسلمانوں کی صفوں میں انتشارِ ذہنی کی دفضا تھی، اور اسی لیے سیاسی معاملات میں بھی کسی یک زبانی، اتحاد باہمی اور ہم نوائی کی توقع عبث رہی تھی۔

برصغیر کی اکثریت آبادی، ہندوؤں کی جماعت کانگریس تھی، اور وہ مشترکہ آزادی چاہتی تھی، اور تقسیمِ ہند کے خلاف تھی جبکہ مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ نے پاکستان ایک جداگانہ اسلامی مملکت کا مطالبہ کیا عرفِ عام میں اسے تحریکِ پاکستان کہا جاتا ہے۔ انگریزی حکومت اور ہندو کانگریس نے اس مطالبے کو مشکل سے تسلیم کیا، جبکہ مسلمانانِ ہند (بشمول دیوبندی اور بریلوی) مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کی بابت فکرمند تھے کیونکہ مسلم لیگ کا ظاہری لباس اور اس کے کرتا دھرتاؤں کے ظاہری اعمال سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا، کہ وہ اسلام کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ایک علیحدہ ریاست پاکستان حاصل کر سکیں۔ لیکن وہ اپنی حاصل کردہ مملکت میں اسلامی نظامِ حیات قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اُس لیے اندیشوں کی بنا پر مسلم لیگ، اور پاکستان کی ہر طرف سے مخالفت ہو گی۔

اہلِ سنت کے یہ اندیشے صحیح بھی نکلے جیسا کہ قیامِ پاکستان کے بعد تقریباً دس سال تک مسلم لیگ برسرِ اقتدار رہی اور اُس کی قیادت نے ملک میں اسلامی آئین تو کیا برطانوی پارلیمانی آئین دینے میں بھی دس سال کا عرصہ

لگایا، نیز حکومتِ پاکستان نے ملک کا پہلا آئین تیار ہونے کے دوران، ان جماعتوں اور رہنماؤں کے خلاف بیزاری کا اظہار کیا، جو ملک میں اسلامی نظامِ حیات رائج کرنے پر مسلسل زور دے رہی تھیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ مسلمانانِ پاکستان کے دیگر مکاتیبِ فکر بھی چوکنا ہو گئے اور ان سب کو یقین ہو گیا، کہ مسلم لیگ کی حکومت اسلامی نظام نافذ کرنا نہیں چاہتی جیسا کہ تقسیم سے قبل زور و شور سے وعدہ کیا گیا تھا۔

حکومتِ پاکستان نے ہندوستان سے دو ماہرینِ اسلامیات، سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر حمید الدین خاں کو پاکستان بلایا اور اُن سے اسلامی آئین بنانے کے لیے کہا، مگر حکومت نے اُن کے سامنے جس قسم کی شرائط رکھیں، اُن سے اِن دونوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ حکومت اپنی مرضی کا اسلامی نظام بنانا چاہتی ہے اور یہ کام اُن کے بس کا نہیں تھا۔ اس لیے وہ معذرت کر کے، یہ کام چھوڑ کر چلے گئے۔ چند سال بعد سلیمان ندوی نے کراچی میں انتقال فرمایا، اور وہیں اسلامیہ کالج کے احاطے میں سپردِ خاک کیے گئے اور ڈاکٹر حمید الدین خاں پیرس چلے گئے۔ جہاں وہ اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔

عُلماءِ اہلِ سُنّت میدانِ عمل میں

مندرجہ بالا حالات اور آئین سازی میں مسلسل تاخیر سے عامۃ المسلمین اور علماءِ اہلِ سنت کے شکوک اور اندیشے بڑھتے گئے کہ حکومت اسلامی نظامِ حیات نافذ کرنا نہیں چاہتی۔ دوسری طرف ملک میں شراب خانوں، جوئے خانوں، سینما گھروں اور قحبہ خانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ بے حیائی اور بے دینی کے کاموں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ تعلیم یافتہ طالبات کی نئی نسل بالعموم بڑے شہروں میں بے پردہ ہو گئی۔ زندگی میں فیشن پرستی اور مادہ پرستی بڑھ گئی، یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا طبقہ شعائرِ اسلامی سے دُور ہو گیا۔ غرض ملک کی مادّی و معاشی ترقی کے ساتھ مسلمانوں کا معیارِ صالحیت اور پاکیزگیٔ ایمان کا وہ درجہ گھٹتا گیا، جو قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں تھا۔ یہ سب کام، نوکر شاہی نے انجام دیئے جو برطانوی عہد کے قانونی ضابطوں ان میں ترامیم و اضافہ جات کے مطابق حکومت کا کام چلانے آ رہے ہیں۔ جیسا کہ اکثر و بیشتر ملک کسی آئین کے بغیر ہی چلتا آ رہا ہے۔

ہونا تو یہی چاہیے تھا، کہ اسلامی مملکتِ پاکستان میں پہلے ہی دن سے اسلامی طرزِ فکر و عمل کی حوصلہ افزائی کی جاتی نہ کہ مغرب کی بے حیائی، بے دینی اور بے راہ روی کو فروغ دیا جاتا۔ تقوے اور بھلائی کے کاموں میں افسران، عوام اور عوامی اداروں سے تعاون کرتے، نیز بدی اور بُرائی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہیں کیا جاتا۔

ایسے نازک حالات میں اہلِ سنت مسلمانانِ پاکستان کو یقین ہو گیا کہ اگر وہ مسجدوں اور خانقاہوں

سے باہر نہیں نکلے تو پاکستان ایک دن غیر اسلامی، سیکولر اسٹیٹ یا سوشلسٹ اسٹیٹ میں جائیگا اور تحریک پاکستان کی تمام قربانیاں، جو نظامِ اسلام کی خاطر عامۃ المسلمین نے دی تھیں، رائیگاں جائیں گی۔

اہلِ سنت کو ملک میں نظامِ اسلام کے خلاف سرگرمیوں کا شدت سے احساس پہلی مرتبہ ایوب خاں کے عہد کے آخری دنوں میں ہوا اور انھیں یہ بھی احساس ہوا کہ ملک میں انکی اکثریتی آبادی ہے مگر اس کے تناسب سے انہیں ملازمتوں اور عوامی اداروں میں نمائندگی نہیں دی جاتی۔ یہ احساس اُس وقت زیادہ بڑھ گیا، کہ جب ملک کی نئی ابھرتی ہوئی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کے بانی اور قائد مسٹر بھٹو نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ بلند کیا۔ لوگوں کو مسٹر بھٹو ایک بے دین اور فاشسٹ انسان نظر آئے۔ اُن کے نعرے بھی دل فریب نظر آئے جیسا کہ وہ غریبوں کے حقوق کی بات کرتے مگر خود جاگیردار اور زمیندار ٹولے کے آدمی تھے اُن کے لیئے فنڈ، افرادی قوت اور پروپیگنڈہ وسائل ایسے گروہ فراہم کر رہے تھے کہ جو ملک میں اسلامی نظامِ حیات کے مخالف تھے۔

دوسری طرف جماعت اسلامی کا پروپیگنڈہ اپنے عروج پر تھا اور ملک میں یحییٰ خاں نے دسمبر ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا تھا۔

جماعت اسلامی نے انتخابات کو جیتنے کے لیے اپنی ۳۰ سالہ خدمات کو داؤ پر لگا دیا تھا

لیکن مولانا مودودی جو اس جماعت کے بانی اور سربراہ ہیں۔ ان کے عقائد و افکارِ سیاسی سے اہلِ سنت دیوبندی اور بریلوی، دونوں ہی بیزار تھے۔ وہ مودودی صاحب کو صحافی اور سیاستدان تسلیم کرتے ہیں مگر عالمِ دین نہیں مانتے کیونکہ موصوف نے کسی دینی مدرسے سے باقاعدہ درس حاصل کر کے سند حاصل نہیں کی۔ اسی لیئے انکا مخزنِ علم، قرآن و سنت اور فقہ و تفسیر کے معاملات میں ناقابلِ اعتبار ہے۔ اور اسی لیئے ان کی کتابوں کو علماء نے قبول نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۰ء سے چند سال پہلے مولانا مودودی نے ایک ضخیم کتاب خلافت و ملوکیت شائع کی جس میں تقریباً ۷۰ صفحات پر حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ناروا تنقید کی گئی اس کتاب کے مطالعے کے بعد اہلِ سنت بالخصوص اہلِ سنت کا دانشور طبقہ مولانا مودودی سے بالکل مایوس ہو گیا۔ دوسری طرف انتخابی مہم سے کچھ پہلے مسٹر بھٹو نے کہا، مودودی کیا چاہتے ہیں۔ وہ پوپ بننا چاہتے ہیں۔ پھر یہ کہا، ایک مرتبہ مولانا مودودی نے یہ فرمایا، میں قائد اعظم کے بعد نظریۂ پاکستان کا امین اور محافظ ہوں۔ یہ سنکر لوگ حیران رہ گئے! اگر مسلم لیگ یہ اعلان کرتی تو بات تھی!

ان حالات میں اہلِ سنّت کے دینی طبقے کو اچانک میدان میں کودنا پڑا اور انہوں نے ایک سیاسی و دینی جماعت "جمعیت علماء پاکستان" کا اعلان کیا۔ اس کے بانی اور سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی ہیں۔ وہ بریلوی مکتبِ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اہلِ سنّت، بریلوی مکتبِ فکر کے علماء بالعموم سیاست سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور سیاست کو دُور سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ مگر انہوں نے جمعیت بنانے کے ساتھ عام انتخابات میں امیدوار کھڑے کرنے کا اعلان بھی کیا۔ اور دو ماہ بعد ہی بڑی کامیابی حاصل کی۔

بہرحال جماعت اسلامی سے جمعیت علماء پاکستان کی کشمکش چلی آرہی ہے۔ بالعموم کہا جاتا ہے، کہ مولانا مودودی کسی دینی درسگاہ کے فاضل نہیں ہیں۔ تو انھیں مسلمانوں کی قیادت، اور تفسیر قرآن لکھنے کا اختیار کیسے حاصل ہوا! حال ہی میں امیر جماعت اسلامی ہند نے لاہور میں مولانا مودودی سے ملاقات کی۔ تو مولانا نے فرمایا پاک و ہند سرحد کا نام اسلام ہے۔ دوسرے الفاظ میں مودودی صاحب پاکستان کی جغرافیائی حدود کے منکر نظر آتے ہیں۔

غرض تمام اہلِ سنّت مولانا مودودی کی قلابازیوں اور فکری تضاد سے بیزار ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں حق بجانب ہیں کہ جماعت اسلامی مسلمانوں اور اہلِ سنّت کے کسی بھی مکتبِ فکر کی نمائندگی نہیں کرتی اس لیے اس کی قیادت مشتبہ ہے!

امام کعبہ شریف کے پیچھے نماز ادا کرنے کا مسئلہ

سابقہ نام نہاد عوامی حکومت کے وزیر مذہبی امور و حج و اوقاف، مولانا کوثر نیازی نے اہلِ سنّت کی صفوں میں ایک اور شگاف ڈال دیا جس کا فائدہ صرف غیروں کو پہنچا ہے۔ موصوف نے خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ کے امام صاحبان کو پاکستان بطور مہمان مدعو کیا۔ ان کے شاندار استقبال ہوئے انہوں نے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں جمعہ کی نمازیں بھی پڑھائیں اور اہلِ سنّت کے ہر مسلک کے لاکھوں افراد نے ان اجتماعات میں نماز جمعہ ادا کی مگر کوثر نیازی صاحب نے یہ بیان دے دیا کہ شاہ احمد نورانی امام کعبہ اور امام مسجد نبویؐ کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں سمجھتے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اس طرح جواب دیا کہ ہم میں الحمدللہ بڑی وسعتِ قلب ہے۔ لیکن گستاخِ رسولؐ کے لیے کوئی وسعت نہیں ہم بڑے روادار ہیں۔ مگر حضور پرنورؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنیوالوں کے لیے کوئی رواداری نہیں۔ ہمارے قلب میں شاتمِ رسولؐ کے لیے کوئی وسعت نہ آج ہے۔ اور نہ آئندہ ہوگی (بحوالہ ترجمانِ اہلِ سنّت دسمبر ۱۹۷۶ء)!

ہمیں آپس کے اختلافات کے باوجود ساتھ ہی زندہ رہنا ہے۔ اور ساتھ ہی مرنا ہے ہمیں بعض اختلافات کی خلیج پاٹ کر فاصلے کم کرتے ہیں۔ اور بالآخر اپنے جزوی اختلافات ختم کر کے دوبارہ پہلے کی طرح شیر و شکر ہونا ہے اگر ہم باہمی مفاہمت وسعتِ قلب رواداری اور ایمان دوستی سے کام لیکر آپس کے بعض اختلافات ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تو یہ اسلام کی سربلندی ہوگی اگر ہم اہلِ سنت نے مصالحانہ اور بقائے دوامی کی روش اختیار نہیں کی۔ تو ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کے دشمن ہم پر غالب آ جائیں گے۔ اور ہماری داستان تک نہ ہوگی۔ داستانوں میں ہم قصۂ پارینہ بن جائینگے ضرورت ہے کہ ہم ہوش سے کام کو تیری سیرت میں قلندر کی بھی اور صاف رہیں۔ خواہ تو صورت انداز بنایا نہ بنا۔

پیغامات

شیخ الحدیث مولانا غلام رسول

"کل پاکستان سنی کانفرنس" وقت کی پکار ہے، یہ دعوت ہے تمام سنیوں کو کہ وہ وقت کی نزاکتوں کو محسوس کریں اور اپنے تمام اختلافات ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں میں اپنے تمام شاگردوں کو ہدایت دیتا ہوں کہ وہ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے سرگرم ہو جائیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد شریف صاحب رضوی

سوادِ اعظم کو مبارک ہو کہ سنی کانفرنس ایک ایسے وقت پر منعقد ہو رہی ہے جب اہلسنت کے منظم ہونے کی ضرورت سب سے زیادہ ہے یقین جانیے کہ اگر آج سوادِ اعظم نے اپنی تنظیم نہیں کی تو کل یہ موقع نہیں ملے گا۔
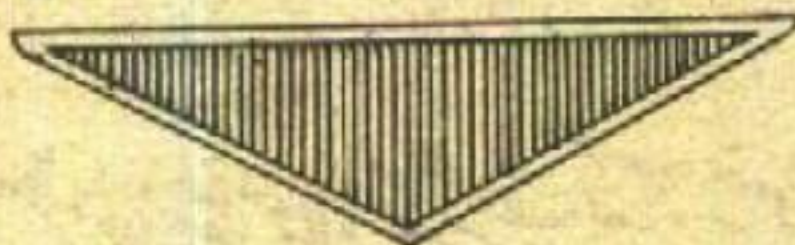
پاک و ہند کے وہ افراد جنہوں نے سیاستِ ہند میں سبز پرچم بلند کیا۔ جن کی نگاہیں برطانیہ کے بجائے حجازِ مقدس کی طرف اٹھتی اور جنہیں کانگرس کے بجائے ریاض الجنہ سے ہدایات ملتی۔ ان نفوسِ قدسیہ نے تحریکِ پاکستان میں قوم پرست اور ہندو نواز علماء دیوبند کو زبردست شکست دی۔ اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے ایک علیحدہ ریاست بنا دی۔ تاکہ مسلمان کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے نظامِ حیات کو ایسے منہاج پر چلائیں جس سے دورِ نبوی کی یاد تازہ ہو جائے۔

اس ریاست کے قیام میں جدوجہد کرنے اور اس میں اسلامی نظام کے نفاذ کی تگ و دو کرنے والے کارواں کے سالار حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا ابو الحسنات قادری، مولانا عبد الحامد بدایونی، خواجہ قمر الدین سیالوی اور مولانا شاہ احمد نورانی ہیں۔ یہ وہ برگزیدہ افراد ہیں۔ جنہوں نے اپنے خونِ ناب سے اس گلستانِ اسلام کی آبیاری کی اور اس کی برآوری کے لئے شب روز کوشاں رہے۔

امیرِ ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری

آپ سنہ ۱۸۴۰ء میں موضع علی پور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میاں عبد الرشید

اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولانا مظہر سہارنپوری، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے کسب علم کیا۔ تکمیل علم کے بعد حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے خلافت عطا فرمائی۔ بعدازیں بابا فقیر محمد چوراہی سے بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔

آپ کا مستقل قیام اپنے آبائی گاؤں علی پور سیداں میں رہا۔ آپ کی ذات گرامی اپنے اندر ہشت پہلو لئے ہوئے تھی۔ آپ ایک متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی پیشوا اور سیاسی قائد تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی کوئی تحریک ایسی نہیں جس میں آپ کی حیثیت ایک قائد کی نہ ہو۔ شدھی تحریک، تحریک خلافت، ترک موالات و ہجرت، تحریک مسجد شہید گنج، شاردا ایکٹ کی مخالفت اور تحریک پاکستان میں آپ پوری ملت اسلامیہ کی قیادت فرماتے رہے۔

یاد رہے آپ ترک موالات میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی کے دوش بدوش تھے اور مسلمانوں کو اس فریب میں ہجرت کے انجام سے آگاہ کرتے رہے۔

۱۹۴۶ء میں تمام علماء اسلام جب تحریک پاکستان کی تائید و حمایت کے لئے بنارس میں جمع ہوئے تو اس اجتماع یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس کی صدارت حضرت پیر صاحب کو سونپی گئی۔ آپ نے اپنا کام بہت احسن طریقے سے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ گویا کہ سنی کانفرنس کے اولیں صدر کی حیثیت سے آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے آنے والے مدبرین کے لئے ایک راہ عمل متعین کر دی۔ جناب محمد صادق قصوری اکابر تحریک پاکستان میں لکھتے ہیں کہ تحریک پاکستان میں اگر قائداعظم اور مسلم لیگ کو حضرت کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید پاکستان کا یہ نقشہ نہ ہوتا۔ جب بڑے بڑے جبہ و دستار پوش علماء ہندوؤں کے حاشیہ بردار اور کاسہ لیس بن کر "ملت از وطن است" کا نعرہ لگا رہے تھے۔ آپ نے ببانگ دہل مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی حمایت کی اور قائداعظم کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

مولانا ابوالحسنات قادری

آپ ۱۸۹۶ء میں ریاست الور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد مولانا دیدار علی شاہ الوری سے تعلیم حاصل کی۔ ابتداء میں ریاست میں ہی خدمت انجام دیتے رہے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد

اہل لاہور کے پیہم اصرار پر ۱۹۳۶ء میں جامع مسجد وزیر خان لاہور کے خطیب مقرر ہوئے اور تا حیات اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں تفسیر الحسنات بہت مشہور ہے جو آپ نے وفات سے ایک دن پہلے مکمل کی۔

تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علماء پنجاب میں سب سے پہلے آپ ہی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا ۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی تو آپ اس جلسے کے سرگرم کارکن تھے ۱۹۴۶ء میں جب آل انڈیا سنی بنارس کانفرنس ہوئی تو آپ اس میں سرگرمی سے حصہ لیا دوران تحریک آپ پر خضر وزارت نے اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے ایک علیحدہ ریاست بنا دی۔ تاکہ مسلمان کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے نظام حیات کو ایسے منہاج پر چلا ہیں جس سے دور نبوی کی یاد تازہ ہو جائے۔ پابندیاں عائد کی مگر بے کار ثابت ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد جب مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی کوششوں سے اہلسنت وجماعت دوبارہ منظم ہوئے تو جمعیت علماء پاکستان کے نام سے تنظیم بنی جس کی صدارت آپکو نصیب ہوئی ۱۹۴۸ء میں جب تحریک آزادی کشمیر شروع ہوئی تو آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو اس میں بھی آپ پیش پیش تھے تحریک کو چلانے کے لیے جب مجلس عمل قائم ہوئی تو اس کی صدارت آپ کو تفویض کی گئی تحریک کا زور زیادہ ہوا تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک سال تک کراچی حیدرآباد سکھر اور لاہور کی جیلوں میں رہے۔ انہی ایام میں آپ نے قرآن پاک کی تفسیر الحسنات لکھی تحریک پاکستان کے یہ نامور مجاہد ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء کو اہل پاکستان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی

آپ ۱۸۹۸ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے بیس دن کے تھے کہ والد ماجد مولانا عبدالقیوم بدایونی کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے پرورش کی۔ بڑے ہوئے تو شہر کے مکاتب میں تعلیم حاصل کی شاہ مطیع الرسول مولانا محب احمد قادری اور مولانا مشتاق احمد کانپوری آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

شدھی تحریک اور تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ تھے مولانا جوہر نے جب جمعیت علماء ہند کو چھوڑ کر اپنی الگ جماعت بنائی تو مولانا نثار احمد کانپوری اور مولانا عبدالماجد بدایونی کی معیت میں آپ بھی نئی جماعت کے روح رواں تھے۔

دسمبر ۱۹۱۸ء میں پہلی مرتبہ مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس اجلاس کی قیادت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی تھی پھر ۱۹۳۶ء سے باقاعدہ عملی حصہ لینے لگے اور تقسیم ہند تک اس کے رکن رہے ۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان پیش ہوئی اور اس کی تائید کرنیوالوں میں آپ پیش پیش تھے۔

۱۹۴۶ء میں جب قیام پاکستان کی تحریک کو تیز کرنے کے لیے آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی تو اس میں آپ شریک ہوئے اور کارنامے نمایاں انجام دیئے صوبہ سرحد میں آپ نے خدمات کے پیش نظر قائداعظم نے آپکو فاتح سرحد کا لقب دیا

۱۹۴۸ء میں جب جمیعت علماء پاکستان معرض وجود میں آئی تو سندھ و کراچی کے صدر مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۶۱ء میں مولانا ابوالحسنات قادری کی وفات کے بعد مرکزی صدر مقرر ہوئے۔ اور تاحیات اس مرتبے پر فائز رہے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تقریباً ایک سال تک جیل میں رہے آپ کی کتابوں کے مصنف میں کتاب بد سنت غیروں کی نظر میں اور فلسفہ عبادات اسلامی اوام اسپلی کی یادگار ہیں۔ آپ ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء کو راہی دارالبقا ہوئے۔

خواجہ قمرالدین سیالوی ؒ

آپ غالباً ۱۹۰۶ء میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان کئی پشتوں سے مرجع خلائق چلا آرہا ہے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کے اساتذہ سے حاصل کی بعدازاں اجمیر میں مولانا معین الدین اجمیری کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور ایک عرصے تک ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔

آپ نے ہمیشہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اپنے آپ کو وقف رکھا۔ تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ نے اس مملکت خداداد کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا۔ ٹوانے جن کے اس خاندان عالی سے قدیم نیازمندانہ تعلقات تھے ذرا بھر پرواہ کیے بغیر اپنی روش پر چلتے رہے۔

آپ کی ان خدمات جلیلہ کے پیش نظر جون ۱۹۷۰ء کل پاکستان سنی کانفرنس دارالسلام میں آپ کو جمیعۃ علماء پاکستان کا مرکزی صدر چنا گیا آپ کی قیادت سے جمیعت میں حیات تازہ آگئی ملک کے وہ علماء اور مشائخ کرام جو سیاست سے بالکل الگ تھلگ تھے آپ کی ذات بابرکت کیوجہ سے جمیعت کے امور میں دلچسپی لینے لگے۔ اور خواجہ صاحب اپنی بیماری اور ضعف کے باوجود خدمت دین کیلئے ہمہ وقت مصروف رہتے آپکی کوششوں اور کاوشوں سے جمیعت کو مرکز میں سات اور صوبوں میں گیارہ نشستیں ملی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں پر آپ سایہ تا دیر قائم رکھے۔

مولانا شاہ احمد نورانی

آپ مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے والد ماجد کی طرح تبلیغ اسلام میں گزارا۔ پاکستان میں جب سوشلزم کی تحریک چلی تو آپ نے اس کے مقابلے کے لیے سنہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں حصہ لیا۔ اور شاندار کامیابی ہوئی۔ کراچی سے آپ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے جب اجلاس ہوا تو آپکو پارلیمانی لیڈر چن لیا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں آپ جمعیت علماء پاکستان کے صدر منتخب ہوئے اور ابھی اس مرتبہ پر فائز ہیں۔

آپ نے اپنی اس مختصر سیاسی زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جسکی وجہ سے آپکو قائد اہلسنت کہا جانے لگا۔ آپ نے سب سے پہلے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کی جائے چنانچہ اس وقت کے وزیر اطلاعات و نشریات سے اس مسئلے پر بحث ہوئی آخر اللہ تعالیٰ نے آپکو کامیابی عطا فرمائی۔ ۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں بھی آپ نے ایک قائد کا کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء میں جب تحریک نظام مصطفےٰ شروع ہوئی تو اس میں بھی آپ پیش پیش تھے آپ نے اپنے دور صدارت میں جمعیت علماء پاکستان کو بام عروج تک پہنچایا آپ ہی کی بدولت جمعیت آج پاکستان کی عظیم سیاسی جماعت تسلیم کی جاتی ہے۔ ورنہ دور ایوبی میں جبکہ تمام جماعتوں کو ریڈیو اور ٹی وی پر وقت ملا تھا بلکہ بعض آزاد امیدواروں کو موقع دیا گیا ایک جمعیت ایسی تھی جسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ آج مولانا نورانی کی قیادت کا ثمرہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں عنقریب جمعیت کے انتخاب ہو رہے ہیں۔ جمعیت علماء پاکستان کی مجلس عاملہ پوری قوم کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اور مولانا نورانی کی سابقہ خدمات کی بنا پر انہیں اسی عہدے پر برقرار رکھے گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات۔ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں۔

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی

کی سرپرستی میں!

آل پاکستان سنی کانفرنس

اسٹیڈیم قاسم باغ ملتان

۱۶-۱۷ اکتوبر کو منعقد ہو رہی ہے!

ملک بھر کے علماء، مشائخ اور عوام اہلسنت شرکت فرما رہے ہیں!

امدادی فنڈ: سنی کانفرنس اکاؤنٹ نمبر ۲۵۹ - یونائیٹڈ بنک کچہری روڈ ملتان!

رابطہ دفتر: مدرسہ انوار العلوم ملتان۔ فون ۲۵۲۱۷

زیر اہتمام:- مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان

سید غلام مصطفیٰ بخاری جتیل
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ۔ لاہور

۱۔ یہ ۱۲۴۳ھ کا کوئی دن ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وفات پا چکے ہیں۔ اور دہلی کی سلطنت انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے جاں بلب ہے، اور کچھ گھڑیوں کی مہمان ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے، کہ اس مریض جاں بلب کا علاج کرنے کے لیے علماء متحدہ کوشش کریں کیونکہ یہ امت مسلمہ کے روحانی معالج ہیں۔ مگر اس دن دیکھنے والی آنکھ حیران ہے، کہ دہلی کے وہ علماء جنکی زبان بیک وقت پورے ہندوستان کو حرکت میں لے آیا کرتی تھی۔ دہلی کی جامع مسجد میں جمع ہیں۔ اور بیمار امت کا کوئی علاج سوچنے کے بجائے باہم دست بگریباں ہیں۔ سبب پوچھا گیا تو معلوم ہوا، کہ حضرت شاہ صاحب کے بھتیجے اسماعیل نے کچھ عرصہ قبل جو کتاب تقویۃ الایمان کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے مندرجات مثلاً امکان نظیر خاتم الانبیاء، انکار شفاعت، تکفیر مسلمین، توہین انبیاء وغیرہ پر بحث ہو رہی ہے اور ان مسائل میں دو نقطہ نگاہ ہونے کی وجہ سے قوم کے معمار باہم انتشار کا شکار ہو گئے ہیں۔ جس آنکھ نے برصغیر کے علماء امت کا یہ اختلاف دیکھا وہ بند ہوئے صدیاں گذر گئیں مگر اسماعیل کی رکھی ہوئی اس بنیاد پر اختلاف کی وہ عمارت کھڑی ہوئی کہ پوری امت آج تک اس کو گرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ امت کو منتشر کر دینے والا یہ ہیرو انہی لوگوں کا امام ہے، جنکی حمایت میں مضمون نگار نے اصول دیانت اور صحافت کی آبرو پر دھبہ لگایا ہے۔

انگریز کی پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو کی تھی، چنانچہ وہ ہندوستان کی قوموں خصوصاً برسر اقتدار قوم مسلمانوں میں افتراق ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا، چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے مسلمانوں میں سے کچھ افراد خریدے تاکہ انکو باہمی اختلافات میں مبتلا کر کے ان کو متحد ہو کر مقابلہ کرنے سے روکا جائے۔ چنانچہ اس نے بنگال میں میر جعفر دکن میں میر صادق کو خریدا اور دو انتہائی طاقتور مسلمان ریاستوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر ابھی تک انگریز کے پورے ہندوستان پر حکمرانی کے خواب کی تعبیر ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی اب انگریز اس خواب کو پورا کرنے کے لیے فیصلہ کن وار کرنا چاہتا تھا، لیکن اسکو پنجاب کی انتہائی طاقتور سکھ ریاست سے سخت خوف

محسوس ہوتا تھا۔ اور وہ یہ جانتا تھا کہ اگر سکھ مطالبہ آزادی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر اس کا ہندوستان میں ٹھہرنا ناممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی سابقہ پالیسی کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں میں سے پھر کچھ افراد کو خریدا کیونکہ یہ اس وقت کی جنس ارزاں تھی تاکہ سکھوں پر ان کے اپنے ہی ہم وطنوں کے ہاتھوں ضرب کاری لگوائی جائے اور پھر آسانی سے مرکزی حکومت پر قبضہ کر لیا جائے۔ تاریخ ان افراد کو سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

مندرجہ بالا دعویٰ میں نے مندرجہ ذیل دلیلوں کی بنیاد پر کیا ہے:

دلیل نمبر ۱:۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری اپنی کتاب حیات سید احمد شہید کے صفحہ نمبر ۹۱ پر رقم طراز ہے کہ جب انگریزوں کی نواب امیر خان سے لڑائی عین شباب پر تھی۔ اور مسلمان فرسودہ ہتھیاروں سے مسلح ہونے کی بنا پر انگریزوں کے مقابلہ میں دھڑا دھڑ کٹ رہے تھے اور بقول

سوانح نگار:۔ سید احمد اس وقت پاس ہی ایک خیمے میں موجود تھے فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور مثل ہوا کے دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں انگریزی فوج کا سپہ سالار مع اپنے مصاحبوں کے کھڑا تھا پس وہاں سے سپہ سالار کو ساتھ لیکر پھر دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے اپنے خیمے تک چلے آئے یہاں تھوڑی سی بات چیت کے بعد سپہ سالار سے عہد لیا کہ اسی دم اپنے لشکر کو مقابلہ امیر خان سے واپس لے جاؤں گا۔ اور پھر مقابلہ کو نہیں آؤں گا بلکہ جہاں تک ممکن ہو اپنی سرکار کو مجبور کروں گا کہ وہ نواب امیر خان سے صلح کر لے اس کے بعد انگریزی فوجیں مقابلہ امیر خان پر نہ رہیں اور بعد میں صلح بھی ہو گئی (انتہیٰ ملخصاً) اس عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ سکھوں پر شیر کی طرح جھپٹنے والا یہ مجاہد انگریزوں کو مسلمانوں کا خون بہاتے ہوئے دیکھنے کے باوجود میدان میں نہیں آیا۔ بلکہ خیمے میں بیٹھا رہا۔ آخر کیوں؟

۲۔ جب انگریز سالار تک گئے۔ تو قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ہاتھ میں کم از کم تلوار تو ضرور ہو گی اور اگر تلوار نہ بھی ہو تب بھی انگریز فوج کو معلوم تھا کہ دشمن آدمی ہے۔ اور دشمن کی فوج کے ساتھ آیا ہے۔ تو اسکے باوجود انگریز فوج نے کیوں اسے کچھ نہیں کہا۔ ورنہ میدان جنگ میں تو سالار کی طرف اٹھنے والی آنکھ واپس سلامت نہیں آتی چہ جائے کہ کوئی من کا آدمی واپس آجائے۔

۳۔ انگریز سالار بلا حیل و حجت اس کے ساتھ چلا آیا آخر کیوں کیا اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ دشمن کا آدمی ہے اور کیا اُسے جان کا خوف نہیں تھا؟

۴۔ پھر نواب امیر خان کے کہنے پر نہیں بلکہ اس کے ایک ملازم کے کہنے پر بغیر کسی تحریری معاہدہ یا فتح حاصل کئے انگریز اپنی فوجیں واپس لے گیا آخر کیوں؟

۵۔ پھر کمال دیکھئے کہ انگریزوں کی مرکزی گورنمنٹ نے بھی سید احمد کی اس خواہش کی تکمیل کر دی کہ معاہدہ صلح ہو جانا چاہیئے آخر کیوں؟

یہ تمام باتیں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ ایسا شخص یا تو انگریزوں پر کوئی بہت بڑا احسان کر چکا تھا یا پھر مستقبل قریب میں کوئی بڑی خدمت ان کے لیے انجام دینے والا تھا کہ انگریز سالار اسکی ناراضگی کو مول نہ لے سکا۔ اور مرکزی حکومت بھی اس کی دل آزاری نہ کر سکی۔

دلیل نمبر ۲۔ مولوی محمد جعفر نے سید احمد کی زبانی شک و شبہ دور کرنے کے لیے صفحہ نمبر ۱۲۸ پر مزید لکھا ہے۔ اگر مذکورہ بالا اقتباس سے کسی کو تشفی نہ ہو۔

کہ جب سید صاحب سکھوں سے جہاد کرنے جا رہے تھے۔ تو کسی نے سوال کیا۔ کہ انگریزوں کو چھوڑ کر سکھوں سے جہاد کیا جا رہا ہے تو کیوں (مختصراً)

تو جواب ملا کہ وہ مذہبی رسوم کی ادائیگی میں مزاحم ہوتے ہیں۔ (آگے چل کر) انگریز سرکار گو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر تعدی نہیں کرتے نہ ان کو رسومات مذہبی و عبادات لازمی (کی ادائیگی) سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے ہیں (ابھی تک مرکزی گورنمنٹ مسلمانوں ہی کی تھی مگر سید صاحب ان کا ملک کہہ دیتے ہیں) اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ اور کبھی مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرے تو اسکو سزا دینے کو تیار ہے۔ (تا آنکہ) ہم سرکار انگریزی پر کس سبب جہاد کریں اور اصول مذہب کے خلاف بلا وجہ طرفین کا خون بہائیں

اس عبارت کی درج ذیل باتیں دعوت فکر دے رہی ہیں۔

۱۔ وہ مسلمانوں پر تعدی نہیں کرتی حالانکہ واقعہ نواب امیر خان میں بلاوجہ حملہ کر کے مسلمانوں کا خون بہاتے ہوئے انگریزوں کو دیکھ چکے تھے۔ اگر مسلمانوں کے مزاحم ہونے کا عذر تراشا جائے تو کیا شہداء موتہ کا انتقام لینے کے لیے سرکار دو عالم نے لشکر اسامہ تیار نہیں فرمایا تھا۔

۲۔ انگریز تو وعظ کہنے کی پوری آزادی ہے مگر فضل حق خیرآبادی نے صرف ایک ہی وعظ وہ بھی ان کے مسلک میں نہیں مسلمانوں کے دارالسلطنت میں جہاد پر کہا تو اس سے جینے کا حق چھین لیا یہ تفریق آخر کیوں؟

۳۔ انگریزوں کا خون بہانے میں تو اصول مذہب یاد رہے لیکن صوبہ سرحد کے غیور مسلمانوں کا خون بہاتے ہوئے کوئی اصل مزاحم نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو تاریخ تناولیاں)

دلیل نمبر ۳۔ جب ریشمی رومال تحریک چلی جس کا سہرا دیوبندیوں کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے سر باندھا جاتا ہے تو اس وقت جو جلا وطن حکومت قائم کی گئی تھی اس کا وزیر خارجہ ایک سکھ مہندر پرتاپ کو بنایا گیا۔ آخر یہ سکھوں سے انکی مذہبی دشمنی کی بنا پر اب ان کی مذہبی دشمنی کو کیوں بھول گئے اور اپنے امام کی قربانی کو کیوں رد کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مقصد کچھ اور تھا جسکی تکمیل کے لیے سکھوں کی مدد کی ضرورت نہیں تھی بلکہ قابل گردن زدنی تھے۔ ورنہ اگر انکا مقصد انگریزوں کے خلاف تھا جیسا کہ اب انکو جنگ آزادی کا ہیرو بنایا اور ثابت کیا جا رہا ہے۔ تو پھر یقیناً اس وقت کے با اختیار اور طاقتور سکھوں کی مدد کی زیادہ ضرورت تھی بہ نسبت بے اختیار ایک جلا وطن سکھ سے۔

۴۔ جب تحریک پاکستان چلی اور مسلمان دوسری غلامی سے بچنے کے لیے مطالبہ پاکستان پر متحد ہو گئے تو مغربی نگار کے ہی اتحاد پیدا کر نیوالے ہیرو اس تحریک کے سخت مخالف ہو گئے یہ بات شک و شبہ سے بالا اور سورج سے زیادہ

روشن ہے مگر آپ کو اپنی خوبصورت شکل دکھانے کے لیے روزنامہ پرتاب ۵ جنوری ۱۹۴۶ء کا آئینہ دکھانا چاہتا ہوں۔

مذکورہ روزنامے کے اندر مولانا وحید الدین احمد قاسمی انچارج پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ جمعیت علماء ہند نے ایک طویل مضمون لکھا جس کا صرف ابتدائیہ اور اختتامیہ مقصد سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے پیش کر رہا ہوں ورنہ مضمون تو زہر ہلاہل ہے۔ مولانا رقم طراز ہیں:

مسلمان متحدہ قومیت چاہتے ہیں۔ (جلی سرخی) مسلم لیگیوں کو پاکستان بنانے کے لیے کوئی جزیرہ دے دیا جائے۔ (ذیلی سرخی) پاکستان کی سکیم اپنے یوم پیدائش سے آج تک مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر ایک روحانی عطار کے اس نسخے جیسی ہے۔ جس میں سے جاہل مریضوں کو ہر قسم کا عرق دیا جاتا ہے اور عنقریب وہ دور آنے والا ہے جب اسکو (تجویز پاکستان) کو طاق نسیاں میں سجا کر عجائبات عالم میں سے شمار کیا جانے لگے گا (آخر مضمون میں) یہ سمجھ کا پاکستانی چاہے کچھ نہیں مگر انکو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان کے مسلم عوام کی بھاری اکثریت متحدہ قومیت کے پروگرام کو تسلیم کرتی ہے۔ لیگ کے ارباب حل و عقد اگر اس نظریے میں منسلک نہیں ہو سکتے تو برطانوی سامراج سے درخواست کریں کہ وہ انکو ہندوستان سے باہر کوئی جزیرہ یا مقبوضہ دے دے اور لیگی اس میں پاکستانی حکومت بنائیں جہاں لیگ ہی نمائندہ جماعت ہوگی اور اسی کی حکومت ہوگی۔ (انتہی کلامہم)

کیا جمعیت علماء ہند جماعت اسلامی اور احرار نے جو پاکستان کی پ بھی نہیں بننے دینا چاہتے تھے تحریک پاکستان میں متحدہ امت مسلمہ کے خلاف یہ کردار ادا کر کے امت اتفاق و اتحاد پیدا کیا تھا یا کہ انتشار اس کے برعکس اگر ہمت ہو تو سنی بنارس کانفرنس کی روئیداد پڑھو تو خود معلوم ہو جائیگا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس میں مولانا نے پاکستان کی تجویز کو طاق نسیاں میں سجانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان نہیں بنے گا لیکن جب پاکستان بن گیا۔ تو انکو چاہیے تھا کہ دیانتداری سے اس بے مثال اور عظیم شکست کو تسلیم کر لیتے .... یہ لوگ آج تک اسی آگ میں جل رہے کہ پاکستان کیوں بنا چنانچہ جب بھی موقع ملتا ہے یہ لوگ پاکستان کے خلاف زہر اگلنے سے نہیں چوکتے چنانچہ گذشتہ چند سالوں کی بات ہے۔ کہ مفتی محمود صاحب نے فیصل آباد میں تقریر کرتے ہوئے کہا خدا کا شکر ہے۔ کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے (بحوالہ فیضان ازمرغوب احمد لقتی)

۱۹۷۰ء وہ سال ہے کہ جس میں پہلی مرتبہ سوشلزم پاکستان کی ایک سیاسی جماعت کا انتخابی نعرہ بنا دور بین علماء نے اس کی مضرات رسانی کو فوراً بھانپ لیا چنانچہ ۱۱۳ علماء نے عوام کو اس کے عواقب سے خبردار کرنے کے لیے نظریہ سوشلزم کو کفر قرار دیا اب ضرورت تو اس بات کی تھی۔ کہ متحد ہو کر اس بات کو عوام کے ذہنوں میں اتارا جاتا مگر اتحاد کے چیمپئنوں کے سربراہ مولانا مفتی محمود ہی وہ واحد لیڈر اور ان کی جماعت ہی وہ واحد جماعت تھی۔ جو کہ اسلام کے ٹھیکیدار ہونے کے باوجود بھٹو کی حمایت میں بتین سو تیرہ علماء کو جھوٹا قرار دے کر اٹھ کھڑے ہوئے جس پر ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو شورش کاشمیری نے چٹان میں لکھا خبر آئی ہے کہ مولانا مفتی محمود بالقابہ صحاح ستہ کی تمام جلدیں بغل میں داب کر لاڑکانہ شریف میں بنفس نفیس چیئرمین بھٹو ایدہ اللہ بنصرہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ خبر پی پی آئی کی ہے

گویا مقدمہ مستند ہے ہم نے پچھلے شمارہ میں عرض کیا تھا کہ جمعیت علماء اسلام درحقیقت نظام ہند زندگی کا وزن بھٹو کے بغیر بے بول کی آواز ہے۔ یا دادا محمولی یہ لوگ مشرقی پاکستان میں بائیں بازو کے سوشلسٹوں کی حمایت کو جائیں گے اور وہاں وہی کھڑاگ رچائیں گے جو انہوں نے دوران انتخابات مغربی پاکستان میں رچایا ہے۔ یہ منتشر شکلوں میں ملحدوں سوشلسٹوں اور لادینوں کے حفاظتی دستے ہیں اس خبر نے تصدیق کر دی۔ (ملفوظ) کیا مفتی صاحب نے اس وقت بھٹو صاحب کی حمایت کر کے اسلامی قوموں میں اتحاد پیدا کیا تھا۔ یا کہ اسلام کی متحدہ قوت کی بنیادیں ہلا دیں۔

۲- اب آیئے ذرا ۱۹۷۷ء کے الیکشن کی طرف اور شیشہ اٹھا کر اپنی مکروہ شکل دیکھیے کہ کون مسلمانوں میں اتحاد کا باعث بنا اور کون اختلاف کا۔

جب بھٹو نے اپنی جمہوریت پسندی کی دھاک بٹھانے کے لیے انتخابات کا اعلان کیا تو اس وقت حزب اختلاف کی جماعتیں اتنی بکھری ہوئی تھیں کہ کسی ایک جماعت سے بھی کسی قابل ذکر کارکردگی کی توقع رکھنا بھینس کے سامنے بین بجانے کے مترادف تھا چنانچہ اگر یہ جماعتیں پھر سے کی ایک الیکشن لڑتیں تو بھٹو انکو اتنی آسانی سے شکست دے دیتا جتنی آسانی سے مکھن میں سے بال نکالا جا سکتا ہے اس وقت ملت میں اتحاد کی ضرورت تھی۔ لیکن اتحاد قائم کرنے کے لیے مضمون نگار کے امت میں اتحاد قائم کرنے والے میرو آگے نہ آئے بلکہ وہی لوگ آگے آئے جنکو صاحب مضمون امت میں انتشار پیدا کرنے والے کہہ رہا ہے۔ میں اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل حوالے نقل کر رہا ہوں۔

۱- روزنامہ نوائے وقت کے ملتان کے نمائندہ خصوصی ریاض پرویز نے ۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو ملتان کی خصوصی ڈائری تحریر کی جس میں قومی اتحاد کے لیڈروں سے اپنی ملاقات [illegible] کا ذکر کیا بعد میں لکھا کہ ان سے ملکر ایک بات کا انکشاف ہوا جو قبل ازیں ہمیں معلوم نہیں تھی جسکو اس نے قومی اتحاد کی ان کہی کہانی کے عنوان سے معنون کیا لکھتے ہیں اصل حالات کی صحیح تصویر یوں ہے کہ پچھلے سال ۱۰ جنوری کو رفیق احمد باجوہ کے مکان پر اجتماع ہوا جس میں کہ سابقہ یو۔ ڈی۔ ایف کی طرف سے جمعیت اور تحریک استقلال کو دعوت دی گئی (دراصل یہ دعوت جمعیت کی طرف سے تھی۔ کیونکہ رفیق احمد باجوہ اس وقت جمعیت کے نائب صدر تھے) اور اصولی طور پر اتفاق کر لیا گیا۔ یو ڈی ایف سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ تحریک و جمعیت کو پنجاب میں چالیس فیصد نشستیں دی جائیں نصر اللہ خان نے کہا کہ وہ اتحاد چاہتے ہیں۔ اپنے کورٹ کو سنجیدہ مسئلہ بنانے کو تیار نہیں مفتی محمود نے کہا کہ وہ تیس فیصد نشستیں دینے کو تیار نہیں بات سرے سے نہ چڑھ سکی۔ اور اجلاس ناکام ہو گیا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کو پتہ چلا تو وہ اتحاد قائم کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے انکی کوششوں سے بیڑہ پار لگا۔ اور مفتی محمود اس بات پر راضی ہو گئے کہ تحریک و جمعیت کو ۳۰ فیصد نشستیں دی جائینگی جب مولانا نیازی نے اصغر خان سے بات کی تو وہ چالیس فیصد سے کم پر راضی نہ ہوئے۔ تو مولانا نیازی نے کہا۔ کہ چالیس فیصد کے حساب سے ۴۸ سیٹیں بنتی ہیں جن میں سے ۲۴ تحریک کی اور ۲۴ جمعیت کی۔ اور چھتیس فیصد کے حساب سے ۴۴ سیٹیں بنتی ہیں تو مولانا نیازی نے پیشکش کی کہ آپ بے شک ۲۴ سیٹیں حاصل کر لیں جمعیت اپنی چار سیٹیں اتحاد پر قربان کرتے ہوئے ۲۰ پر

اکتفا کرے گی۔ اصغر خان نے کہا کہ بات اصول کی ہے وہ جمعیت کو بھی تین نشستیں دلوائیں گے۔ البتہ اگر جمعیت اپنے کوٹے کو کم کرنے پر راضی ہے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں چنانچہ نیازی صاحب نے پیر پگاڑا اور مفتی محمود کو مذاکرات کی کامیابی کی اطلاع دی اور یوں اتحاد وجود میں آیا جب عہدے داروں کے انتخاب کا مسئلہ آیا تو کیا ہوا۔ یہ بھی ریاض پرویز سے سنئے۔ نصر اللہ خان نے مفتی محمود کا نام پیش کیا جمعیت علماء پاکستان نے اس کی مخالفت کی۔ (جس میں وہ حق بجانب تھی) اور پیر پگاڑا نے بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد اعلان کر دیا۔ کہ مفتی محمود کو صدر نہیں بنایا جائے گا۔ نصر اللہ خان اس بات سے سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور کہا دوستو تم ابھی تک ہمارے ساتھ اپنے سیاسی اختلافات نہیں بھولے ہو (قریب تھا کہ اتحاد ختم ہو جائے راقم) کہ پھر ایک مرتبہ مولانا نیازی ہی آگے بڑھے اور انہوں نے نہ صرف جمعیت کی طرف سے مفتی محمود صاحب کی مخالفت ترک کرنے کا اعلان کیا بلکہ انکی صدارت کی حمایت کی۔
پھر اصغر خان کو پارلیمانی بورڈ کا چیئرمین بنانے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ تو یو۔ ڈی۔ الیف نہ مانا اور پیر پگاڑا کو پارلیمانی بورڈ کا چیئرمین بنا دیا (کیونکہ اصغر خان اگر پارلیمانی بورڈ کے چیئرمین ہوتے تو انکو جمعیت کے ذبح کرنے کا کوئی موقع نہ ملتا) نصر اللہ خان نائب صدر بن گئے اور اصغر خان منہ دیکھتے رہ گئے۔
قابلِ تقلید ایمانداری ہے۔ ریاض پرویز لکھتے ہیں۔ کہ جب جمعیت و تحریک کو کوٹہ الاٹ ہو گیا تو مفتی صاحب کی طرف سے جمعیت و تحریک کو اپنے امیدواروں کی فہرست مہیا کرنے کو کہا چنانچہ تحریک و جمعیت نے فہرست مہیا کر دی جب پارلیمانی بورڈ کا اجلاس ہوا تو جمعیت علماء اسلام اور مسلم لیگ کی طرف سے یہ موقف اختیار کیا گیا کہ کئی نشستوں پر جمعیت و تحریک کے آدمی کمزور ہیں۔ اگر انکی جگہ دوسرے آدمیوں کو ٹکٹ نہ ملا تو اتحاد کے ہاتھ سے یہ سیٹیں نکل جائیں گی؟

بقول ریاض پرویز یہ تحریک و جمعیت کی ٹیکنیکل غلطی تھی یعنی ان کو قبل ازیں لسٹ مہیا نہیں کرنی چاہئے تھی مگر انہوں نے تو مفتی دین و رہبر روحانی کو انکے وعدے پر اعتبار کر کے دی تھیں) پھر اصغر خان کے سخت رویہ کے پیشِ نظر انکو تو کچھ نہیں کہا گیا۔ البتہ جمعیت سے یہ سمجھ کر کہ یہ اتحاد جمعیت کا مرہونِ منت ہے۔ اور یہ اسی کو اتنی جلدی ٹوٹنے نہیں دے گا۔ مزید پانچ سیٹیں لے لی گئیں:
اب جب جمعیت کے اتحاد سے اختلافات ابھرے تو روزنامہ نوائے وقت نے اپنے مشہور عالم اداریہ میں بعنوان (نہ سمجھو گے تو۔۔۔۔۔) لکھا۔ کہ اگر تحریک کی طرح جمعیت بھی اتحاد سے الگ ہو گئی تو اتحاد کا برقرار رہنا مشکل ہو جائیگا (بقول مفتی صاحب کوئی فرق نہیں پڑا نوائے وقت ۲ جولائی) آگے چل کر جمہوریت کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اس کی ایک اہم بنیاد اور روح رواں رواداری کو سیاسی فکر و عمل کا حصہ نہیں بننے دیا گیا۔ اس گذارش کی ضرورت اس لیے بھی محسوس ہوئی کہ جمعیت علماء پاکستان نے قومی اتحاد کے قیام میں جو مثبت کردار ادا کیا تھا، اور ابتدائی مرحلے میں نشستوں کی تقسیم کی وجہ سے جو بظاہر لاینحل مشکل پیدا ہو گئی تھی اُسے دور کرنے کے لیے اپنے حصے کے متعلق جو رضا کارانہ اور فراخدلانہ قربانی کی تھی۔ اب جب اختلاف و افتراق کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تو اسے نہ صرف پیش نظر رکھنا چاہیے بلکہ اب اس کے مطابق جمعیت کی دلجوئی بھی کی جانی چاہیے اس کے برعکس اگر ہماری جانب

کا رویہ اختیار کیا گیا تو اس سے ضد کے رجحان کو تقویت پہنچے گی (جیسا کہ مسلم لیگ کی حکومت میں شمولیت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے) لیکن قومی اتحاد اپنے اصل سرمایہ عوام کی حمایت سے محروم ہو جائیگا:

مذکورہ بالا اقتباس صاحب مضمون کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ کہ اگر جمعیت کا موقف مبنی برحق نہ ہوتا یا امت میں انتشار کا باعث بننے والا ہوتا تو نوائے وقت جیسا اتحاد کا سب سے بڑا نقیب اخبار اسکی حمایت کبھی نہ کرتا۔ یہ دونوں حوالہ جات بالکل غیر متعلق افراد کے ہیں جنکا وزن صاحب خرد پر واضح ہے۔

۵ ـ جب اتحاد بن گیا۔ اور جمعیت کی کوشش سے بنا تو اب مسئلہ انتخابی نعرے کا تھا۔ اور اس وقت کورٹ میں تین نعرے تھے نظام شریعت جمعیت علماء اسلام، اسلامی نظام جماعت اسلامی اور نظام مصطفےٰ جمعیت علماء پاکستان جیسا کہ اصغر خان نے تین ستمبر کو نوائے وقت سے انٹرویو کے دوران کہا کہ نظام مصطفےٰ کا نعرہ انتخابی مہم کے وقت صرف جمعیت علماء پاکستان کا نعرہ تھا۔ لیکن بعد میں اپنے میں سب کچھ سمو لینے والا یہ نعرہ اتحاد کی انتخابی مہم کا روح رواں بن گیا اوّل الذکر دونوں جماعتیں اور نعرے اگرچہ بہت پرانے تھے مگر انکی بدقسمتی دیکھئے کہ ایک ایسی جماعت کا نعرہ جو ان دونوں کے اعتبار سے بہت کم عمر ہے۔ اور ان لوگوں کی جماعت جن سے انکو خدا واسطے کا بیر ہے بلکہ یہ لوگ جمعیت اور اس کے متعلقین کو جنکی اس ملک میں اکثریت ہے مشرک کہتے ہیں۔ (گویا مشرکوں کے ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است) اس جماعت کا نعرہ قوم کا نعرہ اور مطالبہ بن گیا ہے۔ گویا جمعیت علماء پاکستان کا ملت اسلامیہ پر یہ احسان ہے کہ اس نے اس نازک وقت میں جبکہ بھٹو شاہی کا عفریت قوم کی عزت و حمیت کو نگل رہا تھا نظام مصطفےٰ جیسا مقبول عام نعرہ دیکر متحد کر دیا۔ اور بھٹو شاہی کا جنازہ نکل گیا لیکن برا ہو اس روایتی عناد کا جو جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی کو جمعیت علماء پاکستان اور اس کے متعلقین سے ہے یہ نعرے کی مقبولیت سے گھبرا کر اس کا راگ تو الاپنے لگے مگر درپردہ اس نعرے کو بھی روٹی کپڑے اور مکان جیسا ناکام نعرہ بنانے کے لیے کوشاں رہے اور اب تک ہیں چنانچہ جب جنرل ضیاء الحق نے نظام مصطفےٰ نافذ کرنے کا اعلان کیا تو نصراللہ خان (مشہور احراری) نے کہا کہ اسکو صرف منتخب حکومت ہی نافذ کرے گی۔ اور جب ۱۸ اکتوبر کے انتخابات ملتوی ہو گئے۔ تو اب چاہیے یہ تھا کہ متفقہ طور پر جنرل ضیاء الحق سے مطالبہ کیا جاتا کہ نظام مصطفےٰ جلد از جلد نافذ کرو لیکن ہوا یوں کہ ان لوگوں نے نظام مصطفےٰ کا لفظ ہی زبانوں پر لانا چھوڑ دیا خاص کر جب مارچ ۱۹۷۸ء میں قومی حکومت کا تذکرہ ہونے لگا۔ تو یوں معلوم ہوا کہ شاید صرف مفتی صاحب اور ان کے رفقاء کو چور دروازے سے حکومت دلانے کے لیے ہی پاکستانی قوم نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں چنانچہ سوا اس کے مفتی محمود صاحب یا کسی دوسرے لیڈر نے نظام مصطفےٰ کا نام تک نہیں لیا نافذ کرنے کا مطالبہ تو دور رہا۔ اس کے برعکس مولانا نورانی جب افریقہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ مفتی صاحب اور دوسرے حضرات وزارتوں کی بندر بانٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے اعلان فرمایا کہ ہمارا مقصد صرف نظام مصطفےٰ کا قیام ہے وزارتوں سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں اب یہ عوام کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ کون ان کے متفقہ مطالبہ کی حمایت کر کے ان کی صفوں میں اتحاد کو قائم رکھنا چاہتا ہے

ہم کل پاکستان سنی کانفرنس کے مندوبین کو خوش آمدید کہتے ہیں
ملتان شریف میں
ہر قسم کے عمدہ خوشبودار تیل، عطریات، خوشبویات، روغنیات، اگربتی کا
مشہور مرکز
جب آپ ملتان تشریف لائیں تو
ہماری خدمات ضرور حاصل فرمائیں
اور
ملتان کا مشہور تحفہ
ہمارا
سپیشل تیل دھنیاں
خرید فرما کر اپنے احباب دوستوں کو تحفہ میں دینے کے لئے ضرور لے جائیں
جو کہ دماغ کو طاقت اور ٹھنڈک بخشتا ہے!
دو بھائیوں کی مشہور دکان
(رجسٹرڈ)
چوک حرم گیٹ
ملتان شہر
فون:- ۷۵۹۲۳

علامہ غلام رسول سعیدی

استاذ شعبہ حدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

اہلسنت وجماعت کون ہیں؟

اہل سنت و جماعت اس ملک کی غالب اکثریت کا نام ہے جس کو سواد اعظم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مسلک اہل سنت و جماعت کے حامل عرف عام میں سنی کہلاتے ہیں۔ لیکن عام لوگ نہیں جانتے کہ اہل سنت وجماعت کیوں کہتے ہیں۔ اور دوسرے فرقوں کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ وہ کب سے اور کیسے وجود میں آئے۔ ان کا تاریخ میں کیا مقام ہے؟

اہل سنت وجماعت اور دوسرے فرقوں کے درمیان حد فاصل کیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت عامہ سے ہر دور میں کچھ لوگ نئے عقائد بنا کر سواد اعظم سے کٹ کر ایک فرقہ کی شکل اختیار کرتے رہے۔ ان میں سے مشہور فرقے کون سے ہیں اس مضمون میں اختصار کے ساتھ ان تمام باتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔

سعیدی

اہل سنت وجماعت کا عنوان قرآن کی روشنی میں :-

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس دین متین کو لے کر آئے۔ اللہ عزوجل نے اس دین کو قیامت تک کی نسل انسانی کے لئے لازم قرار دے دیا۔ اس دین متین کا نام اسلام رکھا اور صاف اعلان فرمایا۔

ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو

اختیار کرے گا۔ اس کا وہ اختیار کردہ دین ہرگز ہرگز بارگاہ الوہیت میں مقبول نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی کو روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ نے تمام دنیا والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ جو لوگ سلیم الفطرت تھے انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ اور جو شقی القلب تھے انہوں نے اس دعوت کو رد کر دیا۔

اسلام کیا ہے؟ اس کی آسان اور سادہ تعبیر یہ ہے کہ حضور نے جو کچھ دیا وہ اسلام ہے جس کام کو دیکھ کر اس سے منع نہ کیا وہ اسلام اور جس کام سے روک دیا وہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کا تم کو حکم دیں اس پر عمل کریں۔ اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

نیز فرمایا:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم

اے محبوب ان سے فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع اور پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنائے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اس حکم کی مزید تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے نظام حیات کے ہر شعبہ امور پر عمل کے لئے کامل ترین نمونہ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نگاہ نبوت سے تربیت پائی۔ فیضان رسالت سے اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول کے سانچہ میں ڈھالا۔ خاندانی روابط، والدین کی الفت، اولاد کی محبت، مال و دولت اور وطن سے تعلق کوئی چیز ان کے لئے رسول اللہ کی اطاعت کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ ہر امتحان اور ہر ابتلا میں وہ کامیاب اور سرخرو رہے۔ ان کی اطاعت و اتباع اللہ کی بارگاہ میں اس درجہ مقبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے صحابہ کرام کے چلن اور ان کے طرز زندگی کو معیار حق قرار دیا۔ اور ان کے اتباع پر اپنی رضامندی اور فوز و فلاح کو موقوف فرمایا۔

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری تحتھا الانہار خالدین فیھا ابدا ذالک الفوز العظیم

جن لوگوں (صحابہ کرام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اور آپ کی نصرت میں پہلے پہل اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جو (بعد میں آنے والے) لوگ ان (یعنی صحابہ کرام) کی طریقہ سے اتباع کریں گے ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ عظیم ترین کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واشگاف طریقہ سے بتلا دیا ہے کہ اگر بعد کے مسلمان فوز و فلاح جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ صحابہ کرام کی اتباع بالاحسان کریں۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کا خلاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی ہے اس لئے قرآن کریم کی روشنی میں درحقیقت مسلمان کہلانے کا وہی مستحق ہے جو سنت رسول اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستہ ہو یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی صحیح تعبیر اور تشریح اہل سنت وجماعت ہے یعنی وہ لوگ جو حامل سنت رسول ہوں اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر گامزن ہوں۔

اہل سنت وجماعت کا عنوان حدیث کی روشنی میں :۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکثرت احادیث طیبہ میں آنے والی نسلوں کو سنت رسول اور جماعت صحابہ کے ساتھ وابستہ رہنے کو معیار حق اور حامل اسلام قرار دیا ہے چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وصال کے بعد تم لوگ اختلاف کثیر دیکھو گے اس موقع پر تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کو لازم کر لینا اس طریقہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا۔

اسی حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرما دی ہے کہ اختلاف کے مواقع میں صاف صحیح اور صریح ہدایت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور جماعت صحابہ کی اتباع اور پیروی میں منحصر ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ سے اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی اور ان میں سے ایک فرقہ کے سوا سب جہنمی ہوں گے صحابہ کرام نے پوچھا حضور وہ کون سا فرقہ ہوگا آپ نے فرمایا جو میری سنت کا حامل اور میرے صحابہ کے طریقہ سے وابستہ ہوگا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نگاہ رسالت میں مسلمانوں کے متعدد فرقوں اور گروہوں میں وہی فرقہ راشدہ اور مرشدہ ہے جو اہل سنت وجماعت ہے۔ اور بالخصوص سنت کے عنوان پر یہ دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ اپنی اپنی اسانید سے بیان کرتے ہیں۔
عن انس بن مالک ...... من رغب عن سنتی فلیس منی

جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

اور بالخصوص صحابہ کرام کے طریقہ کی اتباع یعنی عنوان جماعت پر یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔
محدث رزین بن معاویہ متوفی ۵۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ......
ید اللہ علی الجماعۃ۔

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ بیان فرماتے ہیں۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... علیکم بالجماعۃ والعامۃ۔

حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کے ساتھ وابستگی لازم رکھو اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... ثنتان وسبعون فی النار و واحد فی الجنۃ وھی الجماعۃ

حضرت معاویہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ فرقہ جماعت ہے۔

الحمد للہ العزیز آفتاب سے روشن تر طریقے سے ثابت ہوگیا کہ مسلک اہل سنت وجماعت کا عنوان کتاب وسنت کے موافق اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

گرامی کے عین مطابق ہے۔

سنت کی تشریح

مسلک اہل سنت وجماعت کی توضیح اور تشریح کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سنت کے مفہوم کی وضاحت کر دی جائے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمراد بالسنة الطريقة المسلوكة فی الدين وشرائع الاسلام ولو كانت فرضا او واجبا۔ (لمعات، ج ۱، ص ۲۳۲)

سنت سے مراد وہ راستہ ہے جو دین میں مقرر کر دیا گیا جس کو شریعت اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ فرائض ہوں یا واجبات۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے عمل کے لئے جس راہ کو متعین کر دیا ہے، اس راہ کو سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس تعریف میں تعیین عمل کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس قید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال خارج ہو گئے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے احکام یا اعمال سے منسوخ کر دیا مثلاً نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین، آمین بالجہر یا صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا وغیرہا اور ہمارے عمل کے لئے اس لئے کہا ہے کہ اس تعریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال خارج ہو جائیں جو حضور کی خصوصیات ہیں اور ہمارے لئے جائز نہیں مثلاً تہجد کی فرضیت، صوم وصال، بیک وقت نو ازواج مطہرات کا نکاح میں رکھنا وغیرہ۔ سنت کی وضاحت کے بعد یہ بھی جان لینا چاہئے کہ حدیث کا مفہوم ہے حدیث کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول، فعل اور حال پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماضی اور مستقبل کی جو خبریں دی ہیں وہ بھی حدیث ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں شراب پینے کو مباح رکھا وہ بھی حدیث اور بعد میں منع فرما دیا وہ بھی حدیث ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیات ہیں وہ سب بھی احادیث ہیں۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ ایک مسلمان عامل سنت تو ہو سکتا ہے کیونکہ سنت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے لیکن ایک مسلمان کبھی بھی عامل بالحدیث نہیں ہو سکتا کیونکہ احادیث میں پچھلی امتوں کے اعمال بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض پر عمل کرنا جائز نہیں ہے احادیث میں وہ اعمال بھی بیان کئے گئے ہیں جن کو بعد میں منسوخ کر دیا۔ مثلاً حدیث میں نماز میں گفتگو

کرنے کا بھی ذکر ہے اور سکوت کا بھی اور ظاہر ہے کہ دونوں حدیثوں پر عمل نہیں ہو سکتا اسی طرح احادیث میں حضور کی خصوصیات کا بھی ذکر ہے اور ان پر ہمارے لئے عمل کرنا مشروع نہیں ہے اس تفصیل سے آفتاب نیم اندر سے زیادہ واضح ہو گیا کہ تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے البتہ تمام سنن پر عمل کرنا ممکن ہے اس لئے ایک مسلمان اہلسنت تو ہو سکتا ہے اہل حدیث کبھی نہیں ہو سکتا ہے یہی سبب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ احادیث کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے مثلاً فرمایا فیبلغ الشاهد الغائب (بخاری) مجھ سے حدیث سننے والا بعد والوں کو میری احادیث پہنچا دے اس کے برخلاف سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً فرمایا۔

علیکم بسنتی (ترمذی) میری سنت پر عمل کو لازم رکھو جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری امت میں سے نہیں ہے

من رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری)

جس شخص نے میری کسی ایسی سنت پر عمل کر کے اس کو زندہ کیا ہو جس کو لوگ ترک کر چکے ہوں تو اس سنت پر عمل کرنے والے بعد کے تمام لوگوں کا اجر ملے گا اور اس کے اجر میں بھی کمی نہیں ہوگی۔

من احیا سنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیئا (الحدیث ترمذی)

بہر حال روایت اور روایت ہر دو طریق سے واضح ہو گیا کہ ایک مسلمان اہل سنت تو ہو سکتا ہے لیکن اہل حدیث کسی حال میں نہیں ہو سکتا۔

استدراک

بعض کتب حدیث یا شرح کتب حدیث یا موضوع حدیث سے متعلق کسی بھی کتاب میں اہلحدیث کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اس لفظ سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ اہل حدیث کسی مسلک کا عنوان ہے یا اس کے حاملین کا نام ہے بلکہ اس جگہ اہل حدیث سے حضرات محدثین مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو مشتغل بالحدیث ہوتے ہیں۔ اس قسم کی کسی کتاب میں لفظ اہل حدیث سے عامل بالحدیث مراد نہیں ہوتا بلکہ لفظ اہل حدیث سے مشتغل بالحدیث ہی مراد ہوتا ہے۔

مسلک اہل سنت وجماعت کی خصوصیات:-

متکلمین نے بیان کیا ہے کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں عقائد قطعیہ اور عقائد ظنیہ

اس اعتبار سے حضرات اہل سنت وجماعت کی اصول وفروع میں جو خصوصیات ہیں ان کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

عقائد قطعیہ

اللہ عزوجل کی ذات کو وجوب وجود و استحقاق عبادت اور استقلال بالصفات میں واحد بلاشریک ماننا اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے حسن و کمال کو واجب اور نقص اور عیب مثلاً کذب اور جہل کو محال ماننا یہ ماننا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں وہ کسی فعل پر مجبور نہیں اس کا نیکو کاروں کو ثواب عطا فرمانا محض اسی کا فضل ہے اور عذاب دینا اس کا عدل ہے۔

تمام فرشتوں، کتابوں، انبیاء اور رسل پر ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننا، قیامت، حشر ونشر اور جزا سزا پر ایمان رکھنا، مرتکب کبیرہ کو مسلمان اور قابل عفو سمجھنا انبیاء اور ملائکہ معصوم ہیں۔ ان کے سوا کسی کی عصمت ثابت نہیں۔

عقائد ظنیہ

انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت، حضور کا تمام انبیاء سے افضل ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے تمام اعمال پر گواہ ہونا (جس کو حاضر و ناظر سے تعبیر کیا جاتا ہے) حضور پر نور کا اطلاق کرنا حضور کا سایہ نہ ہونا، حضور کو شرعی اور تکوینی امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کیا جانا، حضور کو ما کان وما یکون کا عالم جاننا جوانبیاء اور مشکلات میں حضور سے استمداد اور یا رسول اللہ کہنے کو جائز سمجھنا، حضور سے دنیا اور آخرت میں طلب شفاعت کو جائز سمجھنا حضرت ابوبکر کی تمام صحابہ پر افضلیت اور خلفاء راشدین کی خلافت علی الترتیب کو حق اور فضیلت کا معیار سمجھنا۔ خلافت کے تقرر کو حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق جائز سمجھنا۔

موزوں پر مسح کرنا، تمام صحابہ ازواج مطہرات، آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سادات کرام اور اولیاء اللہ کا تعظیم سے ذکر کرنا۔ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا۔ ان کے توسل سے دعا مانگنا ایصال ثواب کی مختلف صورتیں مثلاً سوئم، چہلم، عرس وغیرہ کو بطور استحباب کرنا حضور کے ذکر کو بعنوان میلاد شریف بطور استحسان کرنا۔ پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے بعد استحباباً صلوٰۃ والسلام پڑھنا وغیرہ صامن الاعمال النوعیہ۔

آئمہ اربعہ کا اختلاف

امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ یہ تمام آئمہ کرام مسلک اہل سنت وجماعت کے حامل تھے سواد اعظم کی اکثریت انہیں کے ساتھ تھی۔ مذکورہ الصدر اصول اور فروع میں یہ تمام آئمہ متفق تھے۔ بعض فقہی جزئیات میں ان آئمہ کرام کا اختلاف تھا یہ اختلاف بالکل نیک نیتی کے ساتھ تھا یہ وہی اختلاف ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اختلاف امتی رحمۃ۔

اس اختلاف کا ایک عام سبب یہ تھا کہ ہر امام کا ایک الگ اصول تھا مثلاً ایک مسئلہ میں اگر متعدد، مختلف اور متعارض احادیث وارد ہوں تو اس صورت میں امام شافعی قوت سند کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں، امام مالک اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس پر اہل مدینہ کا تعامل ہو امام احمد بن حنبل ایسی صورت میں متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ ایسی صورت میں تمام متعارض احادیث کو سامنے رکھ کر منشاء رسالت تلاش کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو ایسی صورت اختیار کرتے ہیں جس میں تمام متعارض احادیث جمع ہو جائیں، ہر حدیث کا الگ الگ محل متعین ہو جائے۔

اسلام کے متعدد مشہور فرقے

حضرت علی کے دور خلافت کے اوائل میں تمام ملت اسلامیہ ایک مرکز اور ایک مسلک پر جمع تھے اور یہ تمام حضرات مسلک اہل سنت وجماعت کے حاملین تھے۔ بعد میں پھر لوگ نئے عقائد کو وضع کر کے اہلسنت سے علیحدہ ہوتے رہے۔

خوارج: جنگ صفین کے زمانہ میں جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اپنے اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لئے دو آدمیوں کو حکم مقرر کرنے پر راضی ہو گئے اس زمانہ میں حضرت علی کے حامیوں میں سے ایک گروہ اس بات پر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کے بجائے انسانوں کو فیصلہ کرنے والا مان کر آپ کافر ہو گئے اس کے بعد ان لوگوں کے مزاج میں بتدریج شدت آتی گئی یہ لوگ خوارج کہلائے ان کے خاص خاص نظریات یہ ہیں۔

(۱) ان لوگوں کے نزدیک حضرت عثمان آخر عہد میں عدل وانصاف سے منحرف ہو گئے۔ حضرت علی مرتکب کبیرہ ہو کر کافر قرار پائے، جنگ جمل اور جنگ صفین میں شامل ہونے والے لوگوں کو یہ گناہ

عظیم کا مرتکب جانتے تھے۔

(۲) ان کے نزدیک جو مسلمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور بلا توبہ مر جائے وہ کفر پر مرا۔

(۳) یہ لوگ قانون اسلامی کی اساس صرف قرآن کریم کو جانتے تھے اور حدیث کو حجت نہیں مانتے تھے۔

(۴) خوارج اپنے سوا دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر گردانتے تھے ان کے قتل کو جائز اور ان کا مال لوٹنا مباح سمجھتے تھے۔

شیعہ:۔ حضرت علی کے حامی ابتداءً شیعان علی کہلاتے تھے لیکن یہ لوگ بتدریج اہلسنت و جماعت کے عقائد سے نکل کر ایک الگ فرقہ کی شکل اختیار کر گئے ان کے مخصوص عقائد درج ذیل ہیں۔

(۱) امام (خلیفہ) کا مقرر کرنا امت کے انتخاب کی طرف مفوض نہیں ہے بلکہ رسول کا فرض ہے کہ وہ امام کو مقرر کر کے جائے۔

(۲) ان کے نزدیک امام کا معصوم ہونا ضروری ہے ہر امام پر لازم ہے کہ وہ اپنے بعد اپنا جانشین مقرر کرے۔

(۳) حضرت علی کو وہ امام معصوم اور منصوص جانتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو باطل اور ان کو غاصب قرار دیتے تھے۔

(۴) چند صحابہ کے سوا باقی تمام صحابہ کو، کافر، مرتد اور منافق خیال کرتے اور ان کو سب و شتم کرنا عبادت گردانتے ہیں۔

(۵) شیعہ حضرات کے بہت سے فرقے ہیں ان میں سے بعض قرآن کریم میں تحریف کے معتقد ہیں۔

شعیہ حضرات سواد اعظم اہل سنت کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی اقتداء میں نماز کو جائز نہیں سمجھتے۔

مرجیہ:۔ خوارج اور روافض کے انتہائی متضاد نظریات کے برعکس اس کے رد عمل میں ایک تیسرا طرز فکر پیدا ہوا یہ لوگ بھی مختلف نظریات اختیار کر کے سواد اعظم اہل سنت و جماعت سے علیحدہ ہو گئے ان کے عقائد اس قسم کے تھے۔

(۱) ایمان صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا نام ہے۔

(۲) نجات کا مدار صرف ایمان پر ہے کسی قسم کی معصیت مسلمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی صرف شرک سے مجتنب ہونا اور ایمان پر مرنا مغفرت کے لئے کافی ہے۔

(۴) **معتزلہ**:۔ دولت عباسیہ کے اوائل میں عرب اور عجم کی آویزش اور یونانی علوم کے عربی میں منتقل ہونے کے نتیجہ میں فرقہ معتزلہ کا ظہور ہوا اس فرقہ کے بانی واصل بن عطا متوفی ۱۳۱ھ اور

عمرو بن عبید متوفی ۱۴۵ھ تھے ان کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ انسان کے حق میں جو کام مفید ہو وہ کرے۔

(۲) انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

(۳) تقدیر کوئی چیز نہیں ہے۔

(۴) قرآن کریم مخلوق ہے۔

(۵) گناہ کبیرہ کے لئے شفاعت جائز نہیں

(۶) ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں۔

(۷) عذاب قبر اور حساب وکتاب کا ماننا عبث ہے۔

(۸) جنت اور دوزخ کو ابھی پیدا نہیں کیا گیا۔

(۹) اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ صالحین کو ثواب عطا کرے۔

(۱۰) جو شخص گناہ کبیرہ کرے اور بلا توبہ مر جائے وہ مسلمان نہیں ہے۔

ظاہریہ (غیر مقلدین)

اس فرقہ کے بانی ابوسلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی المعروف بالظاہری تھے۔

داؤد ظاہری ابتداً امام شافعی کے حامی تھے بعد میں انہوں نے اپنا ایک مذہب ایجاد کیا جس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں اگر نص نہ ملے تو اجماع پر عمل کر لیتے ہیں اور قیاس کے مطلق قائل نہیں ہیں۔

داؤد ظاہری بعض فقہی مسائل میں جمہور سے منفرد ہیں مثلاً

(۱) طلاق صرف تین لفظوں سے واقع ہوتی ہے۔ طلاق، اور فراق

(۲) تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔

(۳) اگر کوئی شخص بیوی کی غیر موجودگی میں اسے طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی۔

داؤد ظاہری کے پیروکاروں میں آہستہ آہستہ شدت آ گئی حتی کہ بعد میں غیر مقلد حضرات علی الاعلان تقلید شخصی کو حرام کہنے لگے۔

وہابیہ :-

محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ مسلیمہ کذاب کی جائے پیدائش عینیہ میں پیدا ہوئے ان کے مزاج میں بہت شدت تھی انہوں نے اپنے زمانے کے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ چھ سو سال قبل سے یہ امت کفر اور شرک میں مبتلا ہے جس شخص سے بیعت لیتے

اس سے اقرار کرائے کہ وہ بھی کافر ہے اور اس کے آباؤ اجداد بھی کفر پر مرے۔ انہوں نے صحابہ کرام کے مزارات منہدم کرا دیے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی چنانچہ علی طنطاوی متوفی ۱۳۵۸ھ نے لکھا ہے امام محمد فقیہ صاحب الدعوۃ التی عرفت بالوھابیہ۔ محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی نے جس تحریک کی طرف دعوت دی وہ عرف عام میں وہابیت کہلائی۔

اس مذہب کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء اور رسل کے وسیلہ سے دعا مانگنا کفر ہے۔

(۲) یا رسول اللہ کہنا اور انبیاء اور رسل سے استمداد کرنا شرک ہے۔

(۳) جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے وہ اسلام سے خارج ہو گیا اور اس شخص کو قتل کرنا اور اس کے اموال کو لوٹنا جائز اور مباح ہے۔

اسماعیل دہلوی متوفی ۱۸۳۱ء اسکا غیر مقلد تھے انہوں نے ہندوستان میں شیخ نجدی کے افکار کو پھیلایا چنانچہ مرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے۔

جس نے کسی کام میں فیل ہونے پر افسوس نہیں کیا اور ہمیشہ اپنا کامل بھروسہ خداوند حقیقی پر رکھا، وہ پیارا شہید تھا جس نے ہندوستان میں عبدالوہاب کی طرح شریعت محمدی کا ٹھنڈا خوشگوار شربت ہندوستانی مسلمانوں کو پلایا۔ (حیات طیبہ ص ۲۸۵)

چنانچہ ہندوستان کے تمام غیر مقلدین نے مسلک وہابیہ کو اپنا لیا اور اب یہ لوگ اپنے آپ کو خود وہابیہ سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے اپنے مسلک کی وضاحت میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام انہوں نے "ترجمان وہابیہ" رکھا۔

دیوبندی :-

قاسم نانوتوی دیوبندی نے ۱۲۸۳ھ میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد رکھی۔ نانوتوی صاحب رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے اور اسماعیل دہلوی کے افکار سے متاثر تھے۔ اس لئے ان کا وہابی عقائد سے متاثر ہونا ناگزیر تھا ان کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت کے سبب آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے جس قدر مستحب کام کئے جائیں یہ ان سب کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) سواد اعظم اہلسنت وجماعت کی اقتداء میں نماز کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۳) فروع میں بالعموم مسلک حنفی کی پیروی کرتے ہیں لیکن بعض جزئیات میں غیر مقلدین کے ہم نوا

ہیں مثلاً غائب کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ اقامت کے وقت حی علی الصلوٰۃ تک بیٹھنے کا انکار کرتے ہیں اسی طرح اذان کے بعد تثویب کے بھی قائل نہیں ہیں۔

جماعت اسلامی

جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی ہیں ان کی کتابوں کے پڑھنے سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مودودی صاحب کے سوا کوئی شخص خامیوں سے پاک نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر تو خیر مودودی صاحب نے مہربانی فرمائی ہے ورنہ ملت اسلامیہ کے عام افراد سے لے کر انبیاء علیہم السلام تک ہر شخص ان کی تنقید کے نشانے کی زد میں ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں انہوں نے خامیاں تلاش کی ہیں اور ان پر خدا خوفی سے بے نیاز ہو کر تنقید کی ہے۔ البتہ ایک مودودی صاحب کی ذات ستودہ صفات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ان کو اپنی ستر سال سے زائد زندگی میں کوئی خامی نظر نہیں آئی جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جو بات ایک بار لکھ دی کبھی اس کو غلط تسلیم نہیں کیا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں ان کے سامنے آپ انبیاء علیہم السلام میں خامیاں بیان کیجئے ان کے ابرو پر شکن نہیں آئے گی صحابہ کی تنقیص کیجئے ان کو پروا نہیں ہوگی مجددین اور اولیاء کرام کی توہین کیجئے وہ سن لیں گے لیکن اگر مودودی صاحب کی کسی کتاب کے ایک فقرہ یا ایک لفظ کو بھی غلط کہا تو وہ آگ بگولا ہو جائیں گے اور آپ سے مناظرہ اور مجادلہ کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے۔

ذیل میں ہم انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام اور خود مودودی صاحب کے بارے میں ان کی بعض عبارتیں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر بھی نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ حضرت نوح کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جان جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ منہ کو آرہا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضیٰ ہے (تفہیم القرآن، سورہ ہود)

(۲) نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا۔

(رسائل مسائل ج ا ص ۳ طبع دوم)

(۳) اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرہ پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی ہے کہ لا تتبع الھوی

(تفہیمات ج ص ۱۶۱ طبع پنجم)

(۴) یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندی درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی۔ اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔

(تفہیم القرآن سورۃ ص)

(۵) تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے انتخابات صاف معلوم ہوتے ہیں کہ حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔

(تفہیم القرآن سورہ یونس)

(۶) حضور کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔

(خلافت وملوکیت ۱۹۷۶ء)

(۷) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضہ ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۱۶)

(۸) حضرت علی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابوبکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے۔

قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے، حضرت علی نے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے، جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

(خلافت وملوکیت ص ۱۴۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کے بارے میں قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ مودودی صاحب کو ان تمام نفوس قدسیہ میں خامیاں اور غلطیاں نظر آتی ہیں اب یہ بھی دیکھ لیجئے کہ خود اپنی ذات کے بارے میں ان کا کیا نظریہ ہے۔

(۹) خدا کے فضل سے میں کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا اور کہا کرتا ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے تول تول کر کہا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ بندوں کو۔ چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی ایک لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا۔

(رسائل ومسائل حصہ اول ص ۳۰۶ طبع دوم)

(۱۰) جماعت اسلامی کل پاکستان چار روزہ کانفرنس (۲۵ تا ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء) میں مودودی صاحب نے اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے سب مخلص بھائیوں کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے مجھے کسی مدافعت کی حاجت نہیں ہے۔ میں کہیں خلاء میں سے یکایک نہیں آگیا ہوں۔ اس سرزمین میں سالہا سال سے کام کر رہا ہوں۔ میرے کام سے لاکھوں آدمی براہ راست واقف ہیں۔ میری تحریریں صرف اسی ملک میں نہیں دنیا کے ایک اچھے خاصے حصے میں پھیلی ہوئی ہیں اور میرے رب کی مجھ پر یہ عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا ہے۔

(روزنامہ مشرق لاہور ۲۶ اکتوبر ۶۳ء)

یہ ہے جماعت اسلامی کی تحریک کا خلاصہ کہ صرف اللہ تعالیٰ اور مودودی صاحب ہی خامیوں اور غلطیوں سے محفوظ نہیں ہیں، لہذا کے لوگوں کی تو ان کی نظر میں وقعت ہی کیا ہے۔

ہم نے سابقہ صفحات میں جن مشہور فرقوں کا ذکر کیا ہے خوارج سے لے کر جماعت اسلامی تک یہ سب سواد اعظم اہلسنت وجماعت سے کٹ کٹ کر مختلف گروہوں کی شکل اختیار کرتے رہے بعض فرقے ان میں سے فنا ہو گئے اور بعض کسی نہ کسی شکل میں اب تک موجود ہیں۔

سواد اعظم اہل سنت وجماعت سے علیحدہ ہونے والے فرقہ ہر دور میں اہل سنت وجماعت کو اپنے طعن وتشنیع کا ہدف بناتے رہے خوارج نے اہل سنت وجماعت کو کافر کہا، حضرت علی کی توہین کی روافض

نے اہل سنت وجماعت کے بزرگ رہنما یعنی صحابہ کرام پر تبرا کیا معتزلہ نے انہیں ایمان سے خارج کیا وہابیہ نے ان کو مشرک گردانا، دیابنہ نے ان کو گمراہ اور بدعتی قرار دیا لیکن اہل سنت وجماعت کا قافلہ ان تمام دشنام طرازیوں سے صرف نظر کر کے اپنا سفر طے کرتا رہا حتیٰ کہ اہل سنت وجماعت نے عمومی طور پر کسی فرقہ کی تکفیر نہیں کی۔

اہل سنت وجماعت نے سواد اعظم ہونے کے باوجود ہمیشہ وسعت ظرف سے کام لیا۔ دیگر اقلیتی فرقے ہر دور میں جب بھی کسی نہ کسی طرح مسند اقتدار پر پہنچے انہوں نے اہل سنت وجماعت کے مفاد کو نقصان پہنچایا پاکستان کی اکتیس سالہ تاریخ میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے لیکن کیا اب بھی یونہی ہوتا رہے گا۔ اقلیت اکثریت پر حکومت کرتی رہے گی اور چند فرقے سواد اعظم پر مسلط ہوتے رہیں گے صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے برداشت کی بھی ایک مقدار ہوتی ہے۔ آخر کب تک اہل سنت وجماعت کا استحصال ہوتا رہے گا۔

اب وقت آگیا ہے کہ اہل سنت وجماعت کے ذمہ دار افراد تساہل اور چشم پوشی کے روایتی طریقہ کو چھوڑ کر میدان عمل میں آئیں اس زمانہ میں اپنے حقوق کے حصول کے لئے جنگ کرنا پڑتی ہے اور یہ جنگ اب ناگزیر ہو گئی ہے۔

اس ملک کی اکثریت اہل سنت وجماعت پر مشتمل ہے اور عدل وانصاف کا یہی تقاضہ ہے جن لوگوں کی اکثریت ہے حکومت اور قانون سازی کا منصب بھی انہیں کو حاصل ہونا چاہئے۔

چنانچہ مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ :

قوانین ملکی کی تدوین کے سلسلے میں حق ترجیح اسی مسلک کو حاصل ہو گا جس کے حق میں اکثریت ہو اس لئے کہ یہی ایک قابل عمل صورت ہے۔

(رسائل مسائل ج ۲ ص ۴۲۰)

اہل سنت وجماعت کے عنوان کی شرعی اور ملکی اور ملی حیثیت جاننے کے بعد اور اپنا مقام پہچاننے کے بعد اب ضروری ہو جاتا ہے کہ ملک کے تمام سنی حضرات اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز کر دیں۔

مولانا غلام دستگیر نقشبندی
رکن کنوینگ کمیٹی جماعت اہلسنت سندھ

مرکزی جماعت اہلسنت کی تنظیم نو اور اس کی ضرورت

اصولی طور پر تو الحمدللہ جماعت اہلسنت کا وجود کوئی نیا نہیں ہے بلکہ سواد اعظم کی یہ جماعت چودہ سو سال سے موجود اور قائم ہے۔

تاہم اس کی تدوین اور تشکیل مختلف ادوار میں مخصوص ہئیت کے ساتھ حسب ضرورت ہوتی رہی خصوصاً اس کی تنظیم اور عملی کارکردگی کی ضرورت اس وقت زیادہ محسوس کی جاتی رہی جب فرق باطلہ اپنی اجتماعی وسائل کو سواد اعظم کے خلاف بروئے کار لانے لگے۔

تاریخ کے اوراق اس حقیقت واقعی پر شاہد ہیں کہ اس جماعت نے بے سروسامانی کے ساتھ اپنے وجود کو باقی رکھا اور ہر محاذ پر مختلف فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

گذشتہ دنوں اقلیتی فرقوں کے کچھ خود ساختہ رہنماؤں نے ایک مضحکہ خیز دعوے کیا کہ سواد اعظم ہم ہیں۔

ہمیں ان کے اس دعوے پر نہ تو کچھ تعجب ہے اور نہ تشویش بلکہ یہی دعویٰ ان کی تکذیب کی دلیل ہے۔

کیونکہ کسی مومن کو اپنے ایمان کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس قسم کے دعاوی سے تشکیک کی گنجائش نکل آتی ہے۔

تاہم سوادِ اعظم کے مرکزی قائدین، مشائخ اور علماء کا ایک خصوصی اجلاس جولائی ۷۰ء کو دار العلوم احمدیہ کراچی میں ہوا۔ جس میں متفقہ طور پر طے ہوا کہ
جماعت اہلسنت کی تنظیم نو کر کے عوام اہل سنت کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔
چنانچہ اسی نشست میں غزالی وقت جناب علامہ مولانا احمد سعید صاحب کاظمی مدظلہ العالی کی سربراہی میں مندرجہ ذیل گیارہ (۱۱) رکنی اڈہاک کمیٹی قائم کی گئی۔

۱۔ علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی	ملتان
۲۔ مولانا غلام رسول	فیصل آباد
۳۔ مولانا عبد الحق	سرگودھا
۴۔ مولانا عبد التواب	لاہور
۵۔ مولانا سید محمود احمد رضوی	لاہور
۶۔ مولانا شائستہ گل	مردان
۷۔ مولانا سید محمد طیب	ہزارہ
۸۔ مولانا ظفر علی نعمانی	کراچی
۹۔ مولانا محمد سعید طفیل	کراچی
۱۰۔ مولانا علی بخش	دادو
۱۱۔ خلیفہ عبد العزیز	کوئٹہ

علامہ سید احمد سعید کاظمی کی صدارت میں اڈہاک کمیٹی کا پہلا اجلاس ملتان میں ہوا۔
جس میں پورے ملک کی تنظیم کے لئے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تین رکنی انتخابی کمیٹی قائم کی گئی۔

۱۔ مولانا محمد سعید طفیل

۲۔ حاجی خان محمد پراچہ

۳۔ چوہدری محمد حسین ورک

تین رکنی انتخابی کمیٹی کی خواہش پر ملک کے چاروں صوبوں کو مرکزی جماعت اہلسنت کی دستور کی روشنی میں منظم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل قائدین اور علمائے اہل سنت نے طوفانی دورے کئے۔

اور صوبوں میں تنظیمی ڈھانچے قائم کئے۔

پنجاب

دورہ
- ۱۔ مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی
- ۲۔ مولانا مفتی ظفر علی نعمانی
- ۳۔ مولانا محمد طفیل

پنجاب جماعت اہل سنت کے صدر مولانا غلام رسول شیخ الحدیث اور ناظم اعلےٰ مولانا منظور احمد مقرر ہوئے۔

سندھ

دورہ
- ۱۔ مولانا جمیل احمد نعیمی
- ۲۔ مولانا محمد طفیل
- ۳۔ خواجہ محمد جنیت

سندھ جماعت اہل سنت کے صدر پیر محمد قاسم مشوری اور ناظم اعلےٰ مولانا علی بخش قاسمی منتخب ہوئے۔

سرحد

دورہ
- ۱۔ مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی
- ۲۔ شیخ الحدیث مولانا پیر محمد

سرحد جماعت اہل سنت کے صدر مولانا سرگند خان اور ناظم اعلےٰ افتخار احمد مقرر ہوئے۔

بلوچستان

دورہ
- ۱۔ مولانا محمد طفیل
- ۲۔ مولانا غلام دستگیر نقشبندی
- ۳۔ مولانا جمیل احمد نعیمی
- ۴۔ حاجی خان محمد پراچہ

بلوچستان جماعت اہل سنت کے صدر پیر نذر حسین اور ناظم اعلےٰ مولانا سیف الرحمٰن منتخب ہوئے۔

اس ابتدائی تنظیم کے بعد ہر صوبے کے صدر اور ناظم اعلےٰ کی ہدایت پر مختلف اضلاع میں تنظیمیں قائم ہو چکی ہیں۔ الحمدللہ اس مختصر وقت میں توقعات سے کہیں زیادہ کام ہوا۔

ہر صوبے کے عوام اہل سنت نے جس جذبۂ ایمانی کا مظاہرہ کیا وہ قابل دید تھا۔

سواد اعظم نے اپنے علماء اور مشائخ کے ایک ہی آواز پر جو لبیک کہا وہ انشاءاللہ مستقبل کی تاریخ کا حصہ ہوگا۔

اس ابتدائی تنظیمی کام کی تکمیل کی روشنی میں ۱۶ - ۱۷ راکتوبر ۱۹۷۰ء کو ملتان میں کل پاکستان سنی کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔

اور اس تاریخی کانفرنس میں جماعت اہل سنت کی مرکزی تنظیم قائم ہوگی۔

انشاءاللہ سواد اعظم کی یہ تنظیم نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نفاذ اور مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے مشعل راہ ہوگی۔

بنارس سنی کانفرنس کی قراردادیں

(۱) آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

(۲) یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لئے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کیلئے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔

(۱) حضرت مولانا شاہ سید ابو المحامد سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی (۲) حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۳) حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الحاج شاہ مصطفےٰ رضا خان (۴) حضرت صدر الشریعت مولانا محمد امجد علی (۵) مبلغ اعظم مولانا علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (۶) حضرت مولانا عبد الماجد بدایونی قادری بدایونی (۷) حضرت مولانا سید دیوان آل رسول علی خان صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف (۸) حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری لاہور (۹) حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف (۱۰) حضرت پیر سید عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف (سندھ) (۱۱) حضرت مولانا شاہ سید زین الحسنات صاحب مانکی شریف (سرحد) (۱۲) خان بہادر حاجی بخش مصطفےٰ علی (مدراس) (۱۳) حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد لاہور۔

احوالِ واقعی

ماہنامہ ترجمان اہلسنت کے قارئین بخوبی جانتے ہونگے کہ ہم اس خصوصی نمبر
کو بغیر کسی پیشگی اطلاع اور تیاری کے پیش کر رہے ہیں
اس موقع پر ہم اپنے دیرینہ مضامین نگاروں کے قلمی تعاون سے
یقیناً محروم ہے۔

تاہم اس نمبر کی ترتیب و ضرورت کے لئے جو ممکنہ مواد تھے
وہ اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنے قارئین کی خدمت میں پیش
کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (مدیر)

ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی

ہر ماہ باقاعدہ شائع ہوتا اور آپ حضرات کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا جاتا ہے لیکن ہمیں معلوم کر کے از حد تشویش ہے کہ ڈاک کے ناقص انتظام کے سبب بعض احباب کو رسالہ وصول نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم التماس کرتے ہیں کہ اگر کسی ماہ آپ کو رسالہ نہ ملے تو براہ کرم یا تو دفتر سے آپ خود حاصل کر لیں یا ہمیں مطلع کر دیں تاکہ ہم دوبارہ روانہ کر دیں۔ یہ ہرگز خیال نہ فرمائیں کہ کسی ماہ رسالہ کی اشاعت کا ناغہ ہو سکتا ہے ہم پابندی کا بے حد لحاظ رکھتے ہیں۔ ادارہ آپ کے تعاون کا ممنون ہوگا۔

مدیر

اختر الحامدی،
گورنمنٹ المرازی ہائی اسکول
لطیف آباد، حیدرآباد سندھ

اہلِ جنوں

پھر قافلۂ اہلِ جنوں آج رواں ہے
پھر میری نگاہوں میں بنارس کا سماں ہے
ملتان کی جانب رخِ شوریدہ سراں ہے
ماضی کا جواں عزم جبینوں سے عیاں ہے

یہ حق کے فدائی یہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یہ پروانۂ شمعِ رُخِ تابانِ محمد

کانگریس کے حامی جو مسلماں تھے، نہیں یہ
جو اس کی حمایت میں نمایاں تھے، نہیں یہ
رأس العلماء، عالمِ ذیشان تھے، نہیں یہ
ظاہر میں بڑے صاحبِ ایمان تھے، نہیں یہ

وہ جبہ و دستار میں تھے زر کے پجاری
یہ فقر میں بھی دینِ پیمبر کے پجاری

یہ واقفِ ہر اوجِ مقامِ شہِ والا
ہر ایک فدائی ہے غلامِ شہِ والا
اُٹھے ہیں پھر اک بار بنامِ شہِ والا
اس ملک میں لانے کو نظامِ شہِ والا

جس عہد کے پابند ہیں آپس میں، یہ وہ ہیں
کی لیگ کی تائید بنارس میں، یہ وہ ہیں

سنی کانفرنس بنارس میں ہوئی تھی اور علمائے اہلسنت نے اسی اجتماع عظیم میں لیگ کی تائید کی تھی (اختر الحامدی)

جو ہند میں ٹکرائے تھے باطل سے، یہ وہ ہیں — واقف یہی ہیں جو زندان و سلاسل سے، یہ ہی ہیں
ڈرتے نہیں جو ہیں مقابل سے، یہ ہی ہیں — اسلام کے شیدائی جو ہیں دل سے، یہ ہی ہیں

بانی ہیں حقیقت میں یہ اس پاک وطن کے
یہ ملک چمن ان کا، یہ ہیں پھول چمن کے

ان پھولوں میں آقا کی غلامی کی مہک ہے — ان پھولوں میں مہتاب رسالت کی دمک ہے
ان پھولوں میں شہِ والا کی چمک ہے — ان پھولوں میں قرآنِ الٰہی کی جھلک ہے

سر چشمۂ رحمت سے انہیں ملتا ہے پانی
دائم ہیں بہاریں، ابدی ان کی جوانی

اختر ہیں یہ ناموسِ رسالت کے محافظ — توحید کے، قرآن کے، سنّت کے محافظ
مذہب کے محافظ یہ شریعت کے محافظ — ہر دور میں اسلام کی وحدت کے محافظ

اک ہاتھ میں ان کے علَمِ دینِ نبی ہے
اک ہاتھ میں "تیغِ قلم" دینِ نبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم

پیغام

صاحبزادہ فضل کریم صاحب

ہر سنی کا فرض ہے کہ وہ اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے کسی نہ کسی طرح جد و جہد کرے۔ ملتان کی سنی کانفرنس میں غلامانِ مصطفےٰ کا اجتماع ہوگا اور وہاں ہم سب کو عہد کرنا ہے کہ ہم کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ سوادِ اعظم کے نظریات کے خلاف کوئی قدم اٹھائے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ

کے سلسلے میں!

کل پاکستان سُنّی کانفرنس

کے انعقاد کے تاریخی موقعہ پر ہم ——— !

اکابرین جماعت اہلسنت پاکستان کو دلی مبارکباد

پیش کرتے ہیں“۔ حاجی محمد رفیع

دُنیا کے بہترین بال، رولر اور ٹیپر رولر بیرنگز کا مرکز

انٹرنیشنل بیرنگز

۷، پلازا ہاؤس، لے گرین اسٹریٹ، پلازا اسکوائر کراچی۳، فون = ۷۴۴۴۸
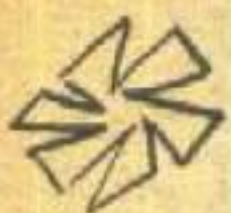
راقم کو اپنی زیرِ ترتیب کتاب "ضیائے مہرِ انور"
کے لئے ان علما و مشائخ کے حالات درکار ہیں جو حضرت پیر مہر علیشاہ صاحب گولڑوی سے سلسلہ بیعت رکھتے تھے۔

لہٰذا متعلقہ افراد سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل عنوان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تعاون فرمائیں۔

☆ تاریخ پیدائش ☆ تاریخ وفات ☆ تعلیم کے حصول کے مقامات اور اساتذہ کرام کے اسما ☆ کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کا نام ☆ تاریخ اشاعت اور مطبع کا نام ☆ کیسے بیعت ہوئے ☆ ان کا تدریسی اور تقریری کام ☆ شیخ سے محبت کے واقعات!

پتہ

شاہ حسین گردیزی

دار العلوم نعیمیہ فیڈرل 'بی' ایریا، بلاک نمبر ۱۵، کراچی

بتاریخ ۱۶-۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز پیر منگل

شان و شوکت سے منعقد ہو رہی ہے

شعبہ نشر و اشاعت جماعت اہلسنت پاکستان